جنگل کی جھونپڑی

مؤلف

لاورا انگالز وائیلڈر

اصل ناشر

ہارپر اینڈ برادرز۔ نیویارک

مترجم

آفتاب احمد صدیقی

ناشر: انڈین اکیڈمی ۲۹ نریندرا پیلیس نئی دہلی

پہلا باب

جنگل کی جھونپڑی

آج سے ساٹھ سال پہلے کا ذکر ہے کہ وسکونسن کے گھنے جنگلوں میں لکڑی کے شہتیروں سے بنی ہوئی خاکی رنگ کی ایک جھونپڑی تھی۔ یہاں ایک ننھی لڑکی رہتی تھی۔

جھونپڑی کے چاروں طرف دیو قامت کالے کالے درخت کھڑے تھے جن کا سلسلہ بہت دور تک پھیلا ہوا تھا۔ شمال کی جانب خواہ کوئی آدمی دن بھر چلتا رہتا یا ہفتہ اور مہینہ بھر لیکن درختوں کا لامتناہی سلسلہ ختم ہونے میں نہ آتا۔ نہ وہاں مکانات تھے اور نہ ہی سڑکیں۔ صرف جنگل ہی جنگل تھا جو جنگلی جانوروں سے بھرا پڑا تھا۔

یہ گھنا جنگل بھیڑیوں، ریچھوں اور خوفناک جنگلی بلیوں کا آماجگاہ تھا۔ چھچھوندر، نیولے اور اود بلاؤ ندیوں کے کنارے رہتے تھے۔ پہاڑیوں میں لومڑیوں کی کچھائیں تھیں اور ہرن ہر طرف کلیلیں کرتے پھرتے تھے۔

مشرق ہو یا مغرب جھونپڑی کے ہر طرف درخت ہی درخت تھے۔ کہیں کہیں جنگل کے آر پار بہت دور ایک آدھ جھونپڑی نظر پڑ جاتی تھی۔ اس لڑکی کو سوائے اپنے چھوٹے سے مکان کے اور کوئی عمارت دکھائی نہ پڑتی تھی۔ وہ اپنے ماں باپ اور دو بہنوں میری اور کیری کے ساتھ رہتی تھی۔ گھر کے سامنے ہی سے گاڑی کی لیک کے نشانات شروع ہو کر پیچ در پیچ بل کھاتے جنگلوں میں گم ہو گئے تھے۔ نہ لڑکی کو یہ پتہ تھا کہ گاڑی کے یہ نشانات کہاں تک گئے ہیں اور نہ ہی وہ یہ جانتی تھی کہ

جہاں یہ نشانات ختم ہوتے ہیں وہاں گیا ہے۔

اس چھوٹی لڑکی کا نام لاؤرا تھا۔ وہ اپنے باپ کو پا اور ماں کو ما کہہ کر پکارتی تھی۔ اس زمانہ میں آجکل کی طرح بچے اپنے باپ کو والد صاحب اور ماں کو والدہ صاحبہ یا ماما اور پاپا نہیں کہا کرتے تھے۔

رات کے وقت اگر لاؤرا کی آنکھ کھٹولے میں سوتے ہوئے کھل جاتی تو وہ درختوں کی آہستہ سنسناہٹ کے علاوہ اور کچھ نہ سن پاتی۔ ہاں بعض مرتبہ کافی رات گذرے کوئی بھیڑیا دور سے چلاتا ہوا معلوم پڑتا اور پھر اس کی آواز قریب سے سنائی دیتی۔

یہ نہایت ڈراونی آواز ہوتی۔ لاؤرا اگرچہ جانتی تھی کہ بھیڑیئے چھوٹی بچیوں کو ہڑپ کر جاتے ہیں لیکن وہ مطمئن تھی کہ وہ لکڑی کے محفوظ مکان میں ہے۔ اس کے باپ کی بندوق دروازہ کے اوپر ہی ٹنگی ہوتی اور ایک قدیمی جانثار چتکبرے رنگ کا بل ڈوگ حفاظت کے لئے موجود ہوتا۔ اس کا باپ کہتا۔

"لاؤرا! جاؤ! سو جاؤ۔ جیک کے ہوتے ہوئے بھیڑیئے کی کیا ہمت ہے کہ وہ اندر داخل ہو سکے"

اور لاؤرا لحاف اوڑھ کر بیتری سے لپٹ کر کھٹولے میں سو جاتی۔

ایک رات اس کے باپ نے لاؤرا کو جگا کر کھڑکی سے باہر دو بھیڑیوں کو گھر کے سامنے بیٹھے دکھایا۔ ان کی جسامت لمبے بالوں والے کتوں جیسی تھی۔ وہ پورے روشن چاند کی طرف اپنی تھوتھنی اٹھا اٹھا کر چلا رہے تھے۔

جیک غصہ کی حالت میں دروازہ کے آس پاس چکر کاٹ رہا تھا۔ اس کی کمر کے بال سیدھے کھڑے ہو گئے تھے۔ وہ اپنے تیز اور خونخوار دانتوں کو بھیڑیوں کی طرف کرتا تھا۔ بھیڑیئے بھی غصہ سے آوازیں نکال رہے تھے مگر وہ اندر نہ آ سکتے تھے۔

مکان آرام دہ تھا۔ اوپر کی منزل کھپریل کی تھی۔ بارش کی جل تل میں وہاں کھیلنا بہت دلکش تھا۔ نچلے حصے میں چھوٹے بڑے دو کمرے تھے۔ سونے کے کمرہ میں ایک کھڑکی تھی جس میں لکڑی کے کواڑ لگے تھے۔ بڑے کمرے میں دو کھڑکیاں کھلتی تھیں۔ اگر

چوکھٹوں میں شیشے جڑے تھے۔ ایک دروازہ سامنے اور ایک پشت پر تھا۔

گھر کے ارد گرد لوہے کا خمدار جنگلا لگا تھا۔ جو بھیڑیوں اور ہرنوں کو اندر داخل ہونے سے روکتا تھا۔ احاطہ میں خوبصورت اور اونچے دو شاہ بلوط کے درخت کھڑے تھے۔ صبح اٹھتے ہی لاورا کسی چیز کی جستجو میں کھڑکی سے باہر جھانکتی۔ آخرکار ایک صبح اس نے مردہ ہرن کو درخت کی ایک شاخ سے لٹکے ہوئے دیکھا۔

پا نے اسے ایک دن پہلے شکار کیا تھا لیکن جب اسے گھر لائے تو رات ہو چکی تھی اور لاورا سو گئی تھی۔ اسے درختوں کی اونچی شاخوں کے ساتھ لٹکا دیا گیا تھا تاکہ وہ بھیڑیوں کی زد سے محفوظ رہ سکے۔

اس دن پا اور ما نے لاورا اور میری کے ساتھ تازہ ہرن کا گوشت کھایا۔ وہ بڑا ہی مزیدار تھا۔ لاورا چاہتی رہی کہ وہ سارے کا سارا گوشت کھا جائیں لیکن اس کا بیشتر حصہ تو نمک لگا کر اور دھواں دے کر محفوظ کرنا تھا تاکہ سردیوں میں کام آ سکے۔

سردی قریب تھی۔ دن چھوٹے پڑنے لگے تھے۔ رات کو دھند کے اثرات کھڑکیوں کے شیشوں پر ظاہر ہونے لگے تھے۔ برف جلد ہی پڑنے والی تھی۔ تب یہ لکڑی کا مکان قریب قریب برف میں دب جائے گا۔ جھیلوں اور ندیوں کا پانی جم جائے گا۔ سخت سردی میں یہ کس طرح یقینی تھا کہ پا کسی جانور کا گوشت کے لئے شکار کر سکیں گے۔

سردی کے موسم میں ریچھ اپنے غاروں میں چھپ جاتے ہیں جہاں وہ تمام سردیاں سوتے ہی سوتے گزار دیتے ہیں۔ درختوں کے کھوکھلے تنوں میں گلہریاں اپنے گھونسلوں میں دبک جاتی ہیں اور اپنی سموردار دم کی گنڈلی بنا کر منہ تک لپیٹ لیتی ہیں۔ ہرن اور خرگوش چوکنے اور تیز رو ہو جاتے ہیں۔ اس موسم میں اگر پا بڑی دوڑ دھوپ کے بعد کسی ہرن کا شکار کر بھی لیں تو وہ بھی دبلا اور کمزور ہی نکلے گا۔ موسم خزاں کے ہرن کی طرح موٹا تازہ نہیں ہو سکتا ہے کہ پا تمام دن شدید سردی اور جنگلوں میں شکار ڈھونڈتے پھریں اور انہیں کچھ بھی نہ مل سکے۔ ایسی حالت میں ما، میری اور لاورا کے پاس کھانے کے لئے کچھ بھی نہ ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ موسم سرما کے شروع ہونے سے پیشتر جتنی خوراک بھی ممکن ہوتی بچائی جاتی۔

پا نے ہرن کی کھال کھینچی اور نمک دے کر اس کو سکھانے کے لئے پھیلا دیا۔ اس سے نرم چمڑا تیار کیا جائے گا۔ تب انھوں نے گوشت کے ٹکڑے بنائے اور انھیں تختہ پہ جما کر نمک دیا۔

صحن کے ایک طرف کٹے ہوئے درخت کا ایک تنا تھا جو اندر سے کھوکھلا تھا۔ جب تک پا کا ہاتھ پہونچا اس نے اس کے اندر کیلیں گاڑ دیں۔ پھر اس کو سیدھا کھڑا کر کے اوپر کا منہ ڈھکن سے ڈھانپ دیا تھا۔ نیچے کی طرف تھوڑا حصہ کاٹ کر دروازہ بنا دیا گیا تھا۔ اس کے لئے لکڑی کاٹ کر کواڑ تیار کئے تھے جنھیں چمڑے اور کیلوں کے ذریعہ کٹے ہوئے حصے میں جڑ دیا گیا۔ اسی طرح دروازہ تیار ہو گیا۔ کواڑوں پر چھال اگرچہ ابھی تک باقی تھی۔

نمک لگا گوشت کئی دن تک خشک ہونے کے لئے رکھا رہا۔ پھر پا نے گوشت کے ٹکڑوں میں سوراخ کئے اور ان میں ڈوری باندھ دی۔ لاورا یہ سب کچھ دیکھتی رہی کہ ان کو کس طرح کھوکھلے تنے میں کیلوں سے لٹکاتے ہیں۔

وہ چھوٹے دروازہ سے کھوکھلے تنے میں داخل ہوتے اور جہاں تک ان کا ہاتھ جا سکتا وہ گوشت کے ٹکڑوں کو کیلوں پر لٹکا دیتے۔ پھر باہر سے سیڑھی لگا کر تنے کے اوپر چڑھ جاتے اور اس کے منہ سے ڈھکن ایک طرف سرکا کر اندر جھک جاتے اور کیلوں پر گوشت ٹانگ دیتے۔

پا نے ڈھکن ٹھیک کیا اور سیڑھی سے نیچے اتر آئے۔ لاورا سے کہا "دوڑ کر جاؤ اور چھپٹیوں کے اس ڈھیر سے تازہ تازہ اور ہری ہری صاف اور سفید اخروٹ کی چھپٹیاں چن لاؤ۔"

لاورا بھاگی بھاگی اس کھیت تک گئی جہاں پا نے لکڑیاں کاٹ کر ڈھیر لگا رکھا تھا اور اپنی جھولی میں تازہ اور خوشبودار لکڑی کے ٹکڑے چن لائی۔

پا نے کھوکھلے تنے کے چھوٹے دروازہ کے قریب ننھی ننھی لکڑیاں اور گھاس پھوس

چن کر آگ سلگا لی اور بڑی احتیاط سے ان چھپٹیوں کو اس کے گرد جما دیا۔

اس طرح نہ تو آگ بھڑکی اور نہ شعلے نکلے بلکہ ہری ہری چھپٹیاں اندر ہی اندر سلگتی رہیں جن سے تنے کا تمام کھوکھلا حصہ دھواں دھار ہو گیا۔ پا نے تنے کا دروازہ بند کر دیا۔ اگرچہ تھوڑا بہت دھواں چھت اور دروازہ کے سوراخوں سے باہر نکلتا رہا مگر کافی دھواں اس تنے میں گوشت کے ساتھ ہی بند رہا۔

پا بولے "اخروٹ کی لکڑی کا دھواں سب سے اچھا ہوتا ہے۔ یہ ہرن کے گوشت کو اس قدر محفوظ کر دیتا ہے کہ کوئی جگہ اور کوئی موسم اس پر اثر نہیں کر سکتا"۔

انھوں نے اپنی بندوق سنبھالی اور کلہاڑا کندھے پر رکھ کر کچھ اور درخت کاٹنے چلے گئے۔

لاورا اور ما کئی دن تک تنے میں سلگتی ہوئی آگ کی رکھوالی کرتی رہیں۔ جب کبھی سوراخوں سے دھواں نکلنا بند ہو جاتا لاورا بھاگ کر کچھ اخروٹ کی چھپٹیاں لے آتی اور ما انھیں احتیاط سے گوشت کے نیچے آگ پر چن دیتی۔ صحن ہر وقت دھوئیں کی خوشبو سے مہکتا رہتا۔ جب کبھی بھی تنے کا دروازہ کھلتا گوشت کی خوشبو سے ملا جلا گہرا دھواں باہر آ جاتا۔

آخرکار ایک دن پا نے فیصلہ دیا کہ اب گوشت کو کافی دھواں دیا جا چکا ہے۔ چنانچہ آگ کو ٹھنڈا ہونے دیا گیا۔ تب پا نے لٹکے ہوئے تمام گوشت کے ٹکڑے اتار لئے۔ ما نے انھیں احتیاط سے کاغذ میں لپیٹا اور کمبریل میں لٹکا دیا جہاں یہ خشک اور ایک عرصہ تک محفوظ رہ سکیں گے۔

ایک دن پا علی الصبح ہی گھوڑا گاڑی لیکر نکل کھڑے ہوئے۔ رات کو جب واپس ہوئے تو پوری گاڑی مچھلیوں سے بھری تھی۔ گاڑی کا بڑا بکس بھی اوپر تک بھرا ہوا تھا۔ کچھ مچھلیاں تو لاورا جتنی بڑی تھیں۔ پا نے انھیں پیپن جھیل میں جال لگا کر پکڑا تھا۔ ما نے پٹیوں والی سفید مچھلیوں کے ٹکڑے کئے۔ لاورا اور میری کی وجہ سے ان کے کانٹوں کی کنگھی بھی نکال دی۔ سب نے سیر ہو کر کھائیں اور جو باقی بچ رہیں

ان کو نمک سے سکھا کر سردیوں کے لئے ٹین کے ڈبوں میں محفوظ کر دیا گیا۔

پا نے ایک سور بھی پال رکھا تھا۔ ویسے تو یہ جنگل میں آوارہ ہی پھرتا رہتا تھا شاہ بلوط کے پھل اور جنگل کے گری دار میوے اور جڑیں اس کی غذا تھیں مگر کچھ دنوں سے پا نے اس کو باڑہ کے اندر رکھنا شروع کر دیا تھا تاکہ یہ موٹا ہو جائے جونہی سخت سردی پڑے گی اس کو کاٹ لیا جائے گا تاکہ سردیوں کے لئے گوشت محفوظ کر لیا جائے۔

ایک دن آدھی رات ہو گی کہ لاورا سور کے چیخنے سے جاگ گئی۔ پا بھی اپنے بستر سے کود کر اٹھ بیٹھے۔ انھوں نے جھپٹ کر دیوار سے بندوق اتاری اور باہر دوڑ پڑے۔ فوراً ہی لاورا نے بندوق چلنے کی کے بعد دیگرے دو آوازیں سنیں۔

پا نے واپس آ کر سارا ماجرا سنایا۔ انھوں نے باہر نکل کر ایک بڑا کالا ریچھ باڑہ کے نزدیک ہی کھڑا پایا جو سور کو لقمہ بنانے کے لئے اندر داخل ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ سور بیچارہ خوفزدہ ہو کر آگے پیچھے چلا چلا کر دوڑ رہا تھا۔ پا نے ستاروں کی جھلملاہٹ میں یہ سب کچھ دیکھا اور فوراً ہی بندوق داغ دی۔ لیکن تاریکی اور جلد بازی کی وجہ سے نشانہ خطا ہو گیا۔ ریچھ بالکل زخمی نہیں ہوا وہ بھاگ کر جنگل میں گھس گیا۔

ریچھ کے شکار نہ ہونے کا لاورا کو افسوس تھا۔ وہ ریچھ کے گوشت کی دلدادہ تھی۔ پا خود بھی نشانہ خطا ہونے پر خوش نہ تھے مگر اتنا مطمئن ضرور تھے کہ انھوں نے کم از کم سور کو تو بچا ہی لیا۔

جھونپڑی کی پشت پر ایک باغیچہ تھا جو گرمیوں میں خوب پھولتا پھلتا رہا تھا۔ دن میں آدمیوں کی موجودگی کی وجہ سے ہرن اس باغیچہ کی باڑ کو نہ پھاندتے اور رات کو جیک انھیں دور رکھتا۔ اس طرح سبزیاں محفوظ تھیں۔ بعض مرتبہ ایسا ضرور ہوا کہ گوبھیوں اور گاجروں کی کیاریوں میں ہرن کے کھُر دیکھے گئے لیکن ان کے ساتھ ساتھ جیک کے پنجوں کے نشانات بھی ملے جس کا مطلب تھا ہرن بھاگ گئے۔

رات میں کڑاکے کی سردی آ چلی تھی۔ آلو، گاجریں، چقندر، شلجم اور گوبھی ذخیرہ میں اکٹھی کر لی گئیں تھیں۔

پیازوں کی لمبی رسی سے گوندھ کر شہتیر سے لٹکا دی گئی تھیں۔ اسی طرح دھاگے سے پروئی ہوئی سرخ مرچیں لٹک رہی تھیں۔ شہتیر کے ایک کونے میں نارنگی، زرد اور سبز رنگوں کے کدو اور میٹھے کدو ڈھیروں میں جمع تھے۔
نمک سے خشک کی ہوئی مچھلیوں کے ٹین اور چینی کے برتنوں میں رکھے تھے اور وہیں زرد رنگ کا پنیر الماریوں میں جما دیا گیا تھا۔

ایک دن ہنری چچا اپنے گھوڑے پر سوار دوسرے جنگل سے یہاں آ گئے۔ پا سور کاٹنے والے تھے اور انھیں امداد کے لئے بلایا تھا۔ ما نے اپنی چھری پہلے ہی سے تیز کر رکھی تھی۔ چچا ہنری پولی چچی کا چاقو اپنے ساتھ لے آئے تھے۔

باڑہ کے نزدیک ہی ہنری چچا نے کافی آگ جلا لی تھی اور ایک بڑی دیگچی میں پانی ابالنے کے لئے رکھ چھوڑا تھا۔ پھر یہ لوگ سور کو ذبح کرنے کے لئے چلے گئے۔ لاورا بھاگی اور اس نے بستر میں اپنا منہ چھپا لیا۔ کانوں میں انگلیاں دے لیں تاکہ وہ سور کا چلانا نہ سن سکے۔

پا بولے "ہم اسے تکلیف نہیں ہونے دیتے۔ بس ذرا سی دیر میں اس کا کام تمام ہو جاتا ہے۔" لیکن لاورا تو اس کا چلانا سننا ہی نہیں چاہتی تھی۔

ایک منٹ بعد ڈرتے ڈرتے اس نے اپنے کانوں سے انگلیاں ہٹائیں اور سنتی رہی۔ سور نے اب چیخنا بند کر دیا تھا۔ اس کے بعد گوشت بنانا اور اس کی بوٹیاں کرنا ایک دلچسپ مشغلہ تھا۔ تمام دن یہ سب کچھ دیکھتے اور کام کرتے گزرا۔ ہنری چچا اور پا دونوں بہت خوش تھے رات کو کھانے پر وہ چاپ کا لطف اٹھائیں گے۔ پا نے لاورا اور میری کو غبارہ اور سور کی دم بھی دینے کا وعدہ کیا تھا۔

جونہی سور کا آخری سانس نکل گیا۔ ہنری چچا نے اس کو اٹھا کر ابلتے ہوئے تیز گرم پانی میں اوپر نیچے کئی مرتبہ غوطے دئیے۔ یہاں تک کہ اس کی جلد نکل آئی۔ پھر اس کو تختہ پر رکھ کر چاقو سے چھیلا تو اس کے تمام بال صاف ہو گئے۔ باہر کی صفائی کے بعد اس کو ایک درخت سے لٹکا دیا گیا اور اندر کی تمام غلاظت باہر نکال ڈالی اور تھوڑی دیر

کے لئے اس کو ایسے ہی چھوڑ دیا تاکہ ٹھنڈا ہو جائے۔

ٹھنڈا ہوتے ہی اس کو نیچے اتار لیا گیا اور اس کے ٹکڑے کرنے شروع کر دیئے۔ ران، کندھے، کولہے، پسلیاں اور پیٹ علیحدہ کئے گئے۔ دل، گردے، زبان اور سری پنیر بنانے کے لئے رکھی گئیں۔ سب بڑے اور چھوٹے ٹکڑوں کو اکٹھا کیا گیا تاکہ چٹنی تیار کی جا سکے۔

گوشت کو پچھلے دروازہ کے سائبان کے نیچے تختے پر رکھ دیا گیا۔ اسے نمک دیا گیا۔ ران اور کندھوں کو بھی نمک لگا دیا گیا۔ انھیں ہرن کے گوشت کی طرح لکڑی کے دھوئیں میں سکھانا تھا۔

ما نے کہا: "اخروٹ کی لکڑی کے دھوئیں سے محفوظ کی ہوئی ران کا کوئی بھی گوشت مقابلہ نہیں کر سکتا۔"

وہ مثانہ میں ہوا بھر رہے تھے۔ اس طریقہ پر ایک سفید غبارہ تیار ہو گیا۔ مثانہ کی نلکی کو ہوا بھر کر دھاگے سے بہت زور سے باندھ دیا گیا۔ میری اور لاورا کے کھیلنے کے لئے یہ غبارہ انھیں دے دیا گیا۔ وہ اسے ہوا میں اچھالتیں اور ہاتھ مار کر ایک دوسرے کی طرف پھینکتی رہیں۔ جب وہ زمین پر گر کر اچھلتا تو وہ اس میں ٹھوکر مارتیں۔ لیکن غبارہ سے زیادہ دلچسپ مشغلہ سور کی دم کا تھا۔

ما نے دم کی کھال بڑے احتیاط سے اتاری۔ دم کے آخری حصہ میں ایک تیز دھار نکیلی چھڑی ٹھونس دی گئی۔ ما نے دہکتے ہوئے چولہے کے سامنے کا ڈھکن کھولا اور جلتے ہوئے کوئلے نیچے کی انگیٹھی میں ڈال دیئے۔ لاورا اور میری نے اپنا کام شروع کیا اور سور کی دم کو کوئلوں کے اوپر تھامے رکھا۔

یہ چھن چھن کرتی پک گئی۔ اس کی چکنائی پگھل کر کوئلوں پر گر کے شعلے بھڑکاتی رہی۔

ما نے اس پر نمک بُرک دیا تھا۔ آگ کی تمازت سے لاورا اور میری کے ہاتھ اور چہرے سرخ تھے۔ لاورا نے تو اپنی انگلیاں تک جلا ڈالی تھیں لیکن انہماک میں اس کو کوئی پروا نہ تھی۔ سور کی دم بھوننے کا مشغلہ کوئی معمولی کھیل نہ تھا۔ یہ بڑا عجیب اور انوکھا تھا۔

دم چاروں طرف سے سرخ ہو گئی تو اس کے بھوننے کا کام بھی ختم ہو گیا۔ اس کی خوشبو کتنی عمدہ تھی۔ وہ اس کو ٹھنڈا کرنے کے لئے کھلے صحن میں لے گئیں۔ [illegible] گیا۔ ٹھنڈا ہوتے ہوتے ہی انھوں نے [illegible] شروع کر دیا تھا۔ [illegible] بھی چلا ڈالیں۔

انھوں نے انگلیوں سے چپٹے ہوئے گوشت کا ریزہ ریزہ کھایا۔ باقی ہڈیاں جیک کی نظر ہوئیں۔ اس طرح دُم کا خاتمہ ہوا۔ پھر ایک سال تک ایسا مزا نہیں آئے گا۔

ہنری چچا کھانا کھا کر اپنے گھر چلے گئے اور پا جنگل جا کر اپنے کام میں مشغول ہو گئے لیکن لاورا، میری اور ما کے لئے تو گوشت کی کٹائی اور چھٹائی کا کام ابھی باقی تھا۔ ما کو تو بہت کچھ کرنا تھا اور لاورا اور میری نے اس کا ہاتھ بٹانا تھا۔

ما نے دو دن تک چولہے پر رکھے بڑے برتن میں چربی نکالنے کی کوشش کی۔ لاورا اور میری لکڑیاں لاتیں اور آگ کی دیکھ بھال کرتی تھیں۔ اس کے لئے آگ کافی ہونی چاہئے اس قدر نہیں کہ چربی اُبل کر باہر آ رہے۔ بڑا برتن جوش اور اُبال تو کھائے مگر بھاپ نہ اُڑنے دی جائے۔ تھوڑی تھوڑی دیر میں ما بھورے ٹکڑوں کو نکالتی جاتی تھی۔ اس نے کپڑے میں کھینچ کر چربی کا قطرہ قطرہ نکال لیا۔ چربی نکالا ہوا باقی حصہ علیحدہ کر لیا جاتا تا کہ ما اسے جانی کیک کے لئے استعمال کرتی تھی۔

خستہ ہڈیاں اگرچہ مزیدار ہوتی ہیں لیکن میری اور لاورا کے لئے انکا مزا چکھنا مشکل تھا۔ ما نے کہا کہ یہ چھوٹی بچیوں کے کھانے کی نہیں ہوتیں۔

ما نے بڑی صفائی سے سری کو بیکار حصوں سے صاف کیا۔ پھر اس کو اتنا پکایا کہ گوشت اور ہڈیاں علیحدہ علیحدہ ہو گئیں۔ گوشت کو بڑی عمدگی کے ساتھ ایک بڑے لکڑی کے پیالے میں اکٹھا کر لیا۔ اس میں نمک، مرچیں اور دوسرے مصالحے ملائے گئے۔ دیگچی جوش ہلا کر اسے ٹھنڈا ہونے کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ ٹھنڈا ہوتے ہی اس کے ٹکڑے کاٹ لئے گئے اور اس طرح سری کا پنیر تیار ہو گیا۔

ما نے گوشت کے چھوٹے چھوٹے پچھے اور گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑوں سے علیحدہ

کئے ہوئے چربی کے ریزے ایک ساتھ ملا کر خوب کوٹے یہاں تک کہ ان کا قیمہ تیار ہو گیا۔ اس میں مرچیں نمک اور کھیت سے لائے ہوئے ساج کے خشک پتے ملائے گئے۔ تب اس نے اپنے ہاتھوں سے اسے خوب اتھل پتھل کر کے ایک جان کر دیا۔ تب اس کے لوندے بنائے گئے۔ ان کو نتوں کو صحن کے اندر ایک کھلے برتن میں رکھدیا یہ ٹھنڈ کی وجہ سے جم جائیں گے اور تمام سردی کام میں لائے جائیں گے۔ یہ ساسیج تھا۔ گوشت بنانے کے بعد باقی کا ساسیج، سری کے پنیر، چربی بھرے بڑے مرتبان، نمک اور نئے ہوئے صحن میں رکھے ہوئے گوشت کے کیبن اور کھپریل میں رکھے ہوئے دھوئیں سے خشک کئے ہوئے کندھے اور رانوں کے سنگوانے کا تھا۔

یہ چھوٹا مکان عمدہ غذاؤں سے بھرپور تھا تاکہ پوری سردیوں کام آسکے۔ باورچی خانہ، گودام اور ذخیرہ بھرپور تھے۔ یہی حال کھپریل کا تھا۔

لارا اور میری کو اب گھر کے اندر ہی کھیلنا تھا چونکہ باہر سردی ہو چلی تھی۔ بت جھڑ کا آغاز ہو گیا تھا۔ آتش دان بھی آگ سے بھرا رہنے لگا تھا۔ رات کے وقت آگ کو راکھ سے ڈھک دیتے تھے تاکہ صبح تک چنگاریاں باقی رہیں۔

کھپریل کھیلنے کے لئے نہایت عمدہ جگہ تھی۔ بڑے بڑے رنگین کدو کرسی اور میز کا کام دیتے تھے۔ سرخ مرچیں اور پیاز کی لڑیں اوپر سے لٹکتی ہوئی بھلی معلوم ہوتی تھیں۔ گوشت کی رانیں اور ہرن کا خشک گوشت کاغذ میں لپٹا ہوا لٹک رہا تھا۔ خشک جڑی بوٹیوں کے گچھے اور دوسری مصالحوں کی جڑیں جو پکانے میں استعمال ہوتی ہیں وہاں جمع تھیں۔ سوکھی دوائیاں بھی لٹکی تھیں۔ یہ سب کی سب مل کر ایک قسم کی بھینی بھینی مصالحے کی خوشبو دیتی تھیں۔

رات کا وقت ہر ایک کے لئے بڑے مزے کا تھا۔ رات کا کھانا کھانے کے بعد پا اپنے کھٹکے دار شکنجے اٹھا لاتے اور آگ کے نزدیک بیٹھ کر انھیں چکناتے پہلے انھیں رگڑ کر چمکایا جاتا اور پھر ریچھ کی چربی میں پر کو ڈبا کر شکنجوں کے قبضوں اور اسپرنگ پر لگاتے۔ ان کے پاس چھوٹے۔ درمیانہ اور ریچھ کو پکڑنے والے بڑے دندانوں والے

ہر قسم کے شکنجے تھے۔ پا نے بتلایا کہ اگر بڑا شکنجہ کسی آدمی کی ٹانگ پر گر پڑے تو وہ ٹانگ
ضرور ٹوٹ جائے۔

شکنجوں کو چکناتے وقت پا، لاورا اور میری کے ساتھ مذاق بھی کرتے رہتے تھے۔
کبھی کہانی بھی سناتے اور وائلن پر گانا بھی گاتے۔

دروازے اور کھڑکیاں بند رہتی تھیں۔ کھڑکیوں کی چوکھٹوں میں جہاں کہیں کوئی
سوراخ تھا اس کو کپڑا ٹھونس کر بند کر دیا گیا تھا تاکہ سردی سے بچا جا سکے۔ لیکن سوسن
نام کی بلی کو باہر آ جانے کے لئے دن رات آزادی تھی۔ باہر کے کواڑوں میں نیچے کی طرف
ایک سوراخ بنا تھا جس پر ایک لچکدار ڈھکن لگا تھا۔ سوسن بی آمدورفت کے لئے اسی سوراخ کو کام میں لاتی تھی
وہ ہمیشہ بہت تیزی کے ساتھ اس راستہ سے گذر جاتی تھی اور گذرتے وقت اپنی دم کو اس خوبصورتی سے
بچاتی تھی کہ وہ کہیں اس سوراخ کے خودبخود بند ہو جانے والے لچکدار کواڑوں میں نہ آ جائے۔

ایک رات، پا اپنے شکنجوں کو چکنائی دے رہے تھے کہ سوسن داخل ہوئی۔ پا بولے۔
"ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک آدمی کے پاس ایک بڑی اور ایک چھوٹی بلی تھی"
لاورا اور میری دونوں ان کے گھٹنوں پر جھک گئیں تاکہ پوری کہانی سن سکیں۔
پا نے پھر دہرایا "اس آدمی کے پاس دو بلیاں تھیں۔ ایک چھوٹی اور ایک بڑی۔ اس نے اپنے
دروازے میں بڑی بلی کے لئے بڑا سوراخ بنوا رکھا تھا اور چھوٹی بلی کے لئے چھوٹا سوراخ بنایا تھا"
پا ذرا خاموش ہو گئے۔
"لیکن چھوٹی بلی کیوں نہیں؟" میری نے صرف اتنا ہی کہا تھا۔
لاورا نے فوراً لقمہ دیا۔ "چونکہ بڑی بلی اس کو گذرنے نہیں دیتی ہوگی"
پا بولے۔ "دیکھو! یہ بات بالکل غلط ہے۔ تم دخل کیوں دیتی ہو"
"لیکن میرا خیال ہے" انھوں نے کہا "تم دونوں میں سے ایک اس آدمی سے زیادہ
عقلمند ہے جس نے اپنے دروازہ میں بلیوں کے لئے دو سوراخ بنائے تھے"
تب انھوں نے شکنجے ایک طرف رکھ دیئے اور بکس سے وائلن نکال کر بجانا شروع
کر دیا۔ یہ وقت سب سے اچھا تھا۔

دوسرا باب

سردی کے دن اور سردی کی راتیں

پہلی برف پڑ چکی تھی۔ جاڑا اوٹ پڑا تھا۔ پا ہر صبح اپنی بندوق اور شکنجے سنبھالتے اور دن بھر کے لئے جنگل میں نکل جاتے۔ چھچھوندروں اور نیولوں کے لئے تنگ گھاٹیوں میں چھوٹا شکنجہ لگاتے۔ دریائی سانڈ کا شکنجہ لومڑیوں اور بھیڑیوں کے لئے لگایا جاتا تھا اور بڑے ریچھ کے شکار کی امید میں بڑا شکنجہ بھی کام میں لاتے اگرچہ ان کے شکار کی امید کم ہی ہوتی کیونکہ سردی شروع ہوتے ہی یہ سب اپنے غاروں میں گھس جاتے ہیں۔

ایک صبح وہ جلدی ہی گھر آئے اور بغیر پہیوں کی گاڑی اور گھوڑا لیکر فوراً ہی جنگل میں واپس چلے گئے۔ انھوں نے ایک ریچھ شکار کیا تھا۔ یہ سنتے ہی میری اور لاورا کود پڑیں۔ وہ تالیاں بجاتی تھیں اور بہت خوش تھیں۔ میری چلائی "میں ریچھ کی ٹانگ لوں گی۔ میں ریچھ کی ٹانگ لوں گی۔" میری جانتی ہی نہ تھی کہ ریچھ کی ٹانگ کتنی بڑی ہوتی ہے۔

جب پا واپس ہوئے تو گاڑی میں ریچھ اور سور دو شکار تھے۔ ہوا یہ کہ وہ اپنے ہاتھ میں ریچھ پکڑنے کا شکنجہ لئے جنگل سے گذر رہے تھے۔ کندھے پر بندوق تھی۔ وہ برف سے بھرپور ایک صنوبر کے درخت کے نزدیک سے گذرنے لگے تو انھوں نے درخت کی اوٹ میں ایک ریچھ دیکھا۔ اس ریچھ نے ایک سور شکار کیا تھا اور وہ اسے اٹھائے ہوئے تھا۔ وہ اسے چٹ ہی کرنے والا تھا۔ ریچھ اپنی پچھلی ٹانگوں پر کھڑا تھا اور اگلے دونوں پیروں میں سور دبا رکھا تھا۔ ایسا معلوم دیتا تھا کہ اسے ہاتھوں میں دبوچ رکھا ہے۔

پا نے اپنی بندوق سے ریچھ کا نشانہ بنایا۔ لیکن پا آج تک بھی معلوم نہ ہو سکا کہ سور کس کا تھا اور اس نے کہاں سے پکڑا تھا۔

پا نے کہا: "اس طرح سور مفت میں ہاتھ لگ گیا!"

اب تازہ گوشت کی کمی نہیں تھی۔ یہ ایک عرصے کے لیے کافی تھا۔ دالان ذرتے کی سرد ہواؤں نے بکس میں رکھا ہوا سور کا گوشت ذرا پچھلے دروازے کے پاس ہرن شیڈ میں لٹکا ہوا بچھڑے کا گوشت دونوں جم کر پتھر بن گئے تھے۔ پگھلنے کا کوئی امکان نہ تھا۔

جب کبھی تازہ گوشت چاہیے ہوتا، پا کلہاڑا اٹھاتے اور جمے ہوئے ریچھ یا سور کے گوشت سے ٹکڑے کاٹ لاتے۔ لیکن جب ماں کو سینچ کے نمک دیا ہوا سور کا گوشت یا پھر دھوپ سے خشک کیے گئے ہرن کے گوشت کی ضرورت ہوتی تو اسے کھپریل یا شیڈ سے لایا جاتا۔

برف گرتی جا رہی تھی۔ گھر کے اردگرد اس کے ڈھیر لگ گئے تھے۔ صبح کے وقت کھڑکیوں کے شیشے دیکھتے تو ان پر دھند جمی ہوتی جو درختوں، پھولوں اور پریوں کی خوبصورت تصویریں بنا دیتی۔

پا نے بتلایا کہ مسٹر دھند رات گئے آتے ہیں اور یہ تصویریں بنا جاتے ہیں۔

لورا نے خیال کیا کہ مسٹر دھند واقعی کوئی برف کی مانند سفید رنگ کے پستہ قد آدمی ہیں ان کے سر پر سفید اور چمکدار نوکیلا ٹوپہ ہوتا ہے اور وہ ہرن کی کھال کے بنے ہوئے سفید نرم جوتے پہنتے ہیں جو ٹخنوں تک چڑھے ہوئے ہیں۔ وہ سفید کوٹ اور سفید دستانے پہنتے ہیں۔ ان کے کندھے پر کوئی بندوق نہیں ہوتی بلکہ ان کے پاس تیز اور چمکیلے اوزار ہوتے ہیں جن سے وہ تصویریں تراشتے ہیں۔

لورا اور میری کو ماں کا انگشتانہ اٹھانے اور شیشوں پر گری ہوئی دھند پر مختلف دائروں کے نمونے بنانے کی اجازت تھی۔ لیکن ماں نے ساتھ ہی کہہ رکھا تھا کہ رات کو جو تصویریں مسٹر دھند نے بنائی ہیں، وہ کسی طرح بگڑنے نہ دیں۔

وہ شیشوں کے پاس اپنا منہ لے جاتیں اور گہرا سانس نکالتیں۔ سفید دھند سانس کی گرمی سے پگھل جاتی اور قطروں کی صورت میں نیچے بہہ جاتی۔ دھند جب اس طریقہ پر پانی بن جاتی تو وہ باہر گرتے ہوئے برف کی حالت دیکھ سکتی تھیں۔ درخت بغیر پتوں کے

کالے کالے نظر آتے۔ ان کے نیلاہٹ بھرے ہلکے ہلکے رنگ بھی سفید برف پر دیکھے جا سکتے تھے۔

لاورا اور میری گھر کے کام میں ما کا ہاتھ بٹاتیں۔ صبح کے وقت ایک کام پلیٹیں صاف کرنے کا تھا۔ میری چونکہ بڑی تھی اس لئے وہ لاورا سے زیادہ پلیٹیں دھوتی تھی لیکن لاورا ہمیشہ اپنا چھوٹا پیالہ اور اپنی پلیٹ خود ہی بڑی صفائی سے دھوتی۔ پلیٹیں دھو کر انکو مناسب جگہوں پر رکھا جاتا تھا۔ اس کے بعد وہ اپنے کھٹولے کا بستر صاف کرتیں۔ ایک طرف میری کھڑی ہوتی اور دوسری طرف لاورا۔ پہلے بستر کو پکڑ کر سیدھا کیا جاتا۔ چنیتی اور کناروں سے برابر کئے جاتے۔ تکیوں کو گداز کر کے ان کی جگہ لگا دیا جاتا۔ پھر ان کے کھٹولے کو مسہری کے نیچے دھکیل دیتی۔ یہی اس کی جگہ تھی۔

ما دن بھر کا کام شروع کر دیتی۔ ہفتہ کا ہر ایک دن مخصوص کام کے لئے اس طرح مقرر تھا۔

پیر کا دن۔ دھلائی کے لئے
منگل۔ استری کرنے کے لئے
بدھ۔ درستگی کے لئے
جمعرات۔ دودھ بلونے کے لئے
جمعہ۔ صفائی کے لئے
ہفتہ۔ روٹی پکانے کے لئے
اتوار۔ آرام کے لئے۔

ان سب دنوں میں لاورا کو دو دن بہت پسند تھے۔ ایک دودھ بلونے کا اور دوسرا روٹی پکانے کا۔

سردی کے موسم میں کریم کا رنگ اس قدر زرد نہ ہوتا تھا جتنا کہ گرمی میں۔ کریم سے جو مکھن تیار ہوتا تھا وہ بالکل سفید ہوتا اور دیکھنے میں اچھا نہ لگتا تھا۔ ادھر ما کی یہ عادت تھی کہ وہ اپنی میز پر ہر چیز دیدہ زیب ہی چاہتی تھی۔ اس لئے سردی کے زمانہ

میں وہ مکھن کو رنگ دیدیا کرتی تھیں۔

پہلے وہ کریم کو ایک لمبی گردن والی کچھالی میں ڈالدیتی۔ اس کو چولہے کے قریب رکھدیا جاتا تاکہ گرم ہوجائے۔ پھر ایک زرد رنگ کی بڑی گاجر دھوکر صاف کرلیجاتی۔ تب اس کو ایک پرانے سوراخ دار ٹین کی اونچی پلیٹ پر رگڑا جاتا۔ ٹین میں ماں نے کیل کے ذریعہ سوراخ کردیئے تھے۔ ماخود ہی اس کدوکش کے کھردرے حصہ پر گاجر کو رگڑاتی جو کٹ کٹ کر سوراخوں میں سے نیچے آرہتی جب وہ کدوکش اٹھاتی تو نیچے گاجروں کے چھوٹے چھوٹے لچھوں کا ڈھیر ہوتا۔

ان گاجروں کے لچھوں کو تھوڑے دودھ میں پکایا جاتا۔ جب ایک جان ہوجاتیں تو ان کو کپڑے کے ایک تھیلے میں انڈیل دیا جاتا۔ جب اس پوٹلی کو نچوڑتی تو زرد رنگ کا دودھ نچڑ آتا۔ اس رنگیلے دودھ کو کچھالی میں ڈالدیا جاتا۔ اس طرح ساری کریم رنگدار بن جاتی اور اس کا مکھن بھی زرد نکلتا۔

دودھ پکی ہوئی گاجریں لاورا اور میری کے کام آتیں۔ میری خیال کرتی کہ اس کا حصہ زیادہ ہونا چاہیئے چونکہ وہ بڑی ہے مگر لاورا کہتی کہ اسے زیادہ ملنا چاہیئے چونکہ وہ چھوٹی ہے۔ لیکن ما کا فیصلہ یہ ہوتا کہ دونوں برابر حصہ لیں۔ یہی بات سب سے اچھی تھی۔

کریم جب تیار ہوجاتا تو پہلے ما رئی کو گرم پانی سے دھوتی اور کچھالی میں ڈالکر ڈھکن ڈھک دیا جاتا۔ ڈھکن کے بیچوں بیچ ایک سوراخ تھا اور ما اسی سوراخ سے رئی کو اوپر نیچے، نیچے اوپر گھماکر کریم بلوتی تھی۔

یہ کافی دیر کا کام ہوتا۔ بعض مرتبہ ما تھک جاتی تو میری اس کا ہاتھ بٹاتی لیکن لاورا چھوٹی تھی۔ وہ دودھ نہیں بلو سکتی تھی۔ اس کے لئے رئی چلانا مشکل تھا۔ شروع شروع میں تو گاڑھی اور ملائم کریم اچٹ اچٹ کر ڈھکن کے سوراخ کے اردگرد گرتی رہتی۔ رفتہ رفتہ اس میں دانے نمودار ہوجاتے۔ اب بلونے کی رفتار آہستہ ہوجاتی۔ رئی پر مکھن کے چھوٹے چھوٹے دانے ظاہر ہوجاتے۔ جب ما ڈھکن اٹھاکر دیکھتی تو اس میں

مکھن کی سنہری ڈلیاں چھاچھ میں تیرتی نظر آتیں اور انھیں لکڑی کے دستہ سے ایک چوبی پیالے میں نکال لیا جاتا۔ مکھن کو بار بار ٹھنڈے پانی میں لکڑی کے دستہ سے الٹ پلٹ کیا جاتا۔ یہاں تک کہ وہ بالکل صاف ہو جاتا۔ اس کے بعد مکھن کو نمکین بنا دیا جاتا۔

دودھ بلونے کی سب سے دلچسپ ایک اور بات بھی تھی۔ ما مکھن کو سانچے میں ڈھالتی۔ لکڑی کے سانچے میں ایک ڈھیلا پیندا لگا ہوتا جس پر اسٹرابیری اور اس کے دو پتے نقش ہوتے۔

لکڑی کے دستہ سے مکھن کو سانچہ کے منہ میں ٹھونس ٹھونس کر بھرتی۔ پھر الٹ کر پلیٹ پر رکھ دیتی۔ اوپر سے دستے کے ڈھیلے پیندے کو دبا دیا جاتا۔ اس طرح سنہرے مکھن کی ایک بھاری ٹکیہ پلیٹ پر آجاتی جس کے اوپر اسٹرابیری اور اس کے پتوں کے نشانات ہوتے۔

ٹکیہ بناتے وقت لاورا اور میری اکثر ما کے دائیں بائیں خاموشی سے کھڑے ہو کر یہ سب تماشے دیکھتی رہتیں کہ سانچہ کے ذریعہ مکھن پر کس طرح اسٹرابیری کی تصویریں بن بن کر پلیٹ میں گرتی رہتی ہیں۔ اس کے بعد ما تازہ اور عمدہ چھاچھ دونوں کو پینے کیلئے دیتی۔

ہفتہ کے دن جب ما نے روٹی تیار کی تو ان دونوں کو بھی تھوڑا تھوڑا آٹا دیا گیا تاکہ وہ اپنی عمر کے لحاظ سے روٹی بنائیں۔ کبھی کبھی چھوٹے چھوٹے سموسے بنانے کیلئے بھی انھیں آٹا دیا جاتا۔ ایک مرتبہ تو واقعی لاورا نے کڑھائی میں سموسے تک تلے تھے۔

دن بھر کا کام ختم ہو جاتا تو بعض مرتبہ ما ان کے لئے کاغذ کی گڑیاں بھی تیار کر دیتی وہ موٹے دار سفید کاغذ کی گڑیاں بنا دیتی۔ چہرہ کے نقوش پنسل سے تیار ہوتے۔ رنگین کاغذوں کے پرزوں سے کپڑے اور ہیٹ بنائے جاتے۔ بیل بوٹے بھی بنا دئے جاتے اور میری اور لاورا اپنی گڑیوں کو اچھی طرح سجا دیتیں

لیکن سب سے دلچسپ وقت تو وہ ہوتا جب پا رات کو گھر لوٹتے۔ جب وہ برفانی جنگل سے پیدل چل کر آتے تو برف کے ذرات ان کی مونچھوں پر کھنچے ہوئے ہوتے پہلے آتے ہی دروازہ کے اوپر دیوار کے ساتھ بندوق لگا دیتے اور پھر اپنی سمور کی

ٹوپی، کوٹ اور دستانہ اتار کر ایک طرف پھینکتے ہوئے کہتے۔

"کہاں ہے میری چھوٹی پیاری لڑکی ؟"

انکا مطلب لاورا سے ہوتا چونکہ وہ ابھی چھوٹی تھی۔

لاورا اور میری دونوں دوڑ پڑتیں اور پا کے گھٹنوں پر چڑھ جاتیں۔ جبتک وہ آگ تاپتے رہتے یہ وہیں بیٹھی رہتیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر اپنی ٹوپی، کوٹ اور دستانہ پہن کر جنگل کی صفائی کے لئے نکل جاتے اور آگ جلانے کے لئے ایندھن اکٹھا کراتے۔

بعض مرتبہ جب شکار نہ ملتا تو پا شکارگاہ سے جلدی ہی لوٹ آتے اور ایسا بھی ہوتا کہ وہ شکار لیکر معمول سے پیشتر ہی گھر آجاتے پھر تو ان کے پاس لاورا اور میری کے ساتھ کھیلنے کا کافی وقت بچ جاتا۔

انہیں پاگل کتے کی ایکٹنگ بہت پسند تھی۔ پا اپنے گھنے بھورے بالوں میں انگلی ڈال کر انہیں سیدھا کرلیتے اور گھٹنوں کے بل چلنے لگتے۔ بھوں بھوں کرتے اور لاورا اور میری کا سارے کمرے میں پیچھا کرتے تھے۔ ان کی یہی کوشش ہوتی کہ انہیں کسی نہ کسی کونے میں گھیر کر پکڑ لیا جائے۔

وہ تیزی سے اپنے آپ کو بچاتیں اور پکڑے جانے سے بچتی رہتی تھیں۔ آخرکار ماں نے انھیں انگیٹھی کے پیچھے لکڑی کے صندوق کے قریب پکڑ ہی لیا۔ یہ ایسی جگہ تھی کہ یہاں سے بچکر نکل بھاگنا مشکل تھا اور پکڑے جانے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا۔

اس وقت پا بڑی بری طرح بھونکتے تھے۔ ان کے بکھرے ہوئے بال اور خونخوار آنکھیں حقیقی معلوم دیتیں۔ میری تو اتنا ڈرجاتی کہ سانس تک نہ نکالتی۔ جونہی پا اور نزدیک آتے لاورا ایک ہی جست میں صندوق کود جاتی اور میری کو بھی اپنے پاس کھینچ لیتی۔

فوراً ہی یہ ایکٹنگ ختم ہو جاتی۔ پاگل کتے کی جگہ وہاں پا کھڑے ہوتے اور ان کی آنکھوں میں ہنسی کی جھلک ہوتی۔ تب وہ لاورا کو دیکھتے اور کہتے۔

"تم میری پیاری چھوٹی لڑکی ہو اور قسم ہے کہ تم فرانسیسی گھوڑی کی طرح مضبوط ہو" لیکن آپ سے نہ رہا گیا۔ بولی " چارلس! تمھیں بچوں کو اس طرح نہیں ڈرانا چاہیئے۔

دیکھا! ان کی آنکھیں ابھی تک کس طرح پھٹی پھٹی ہیں۔"
پا نے ان کی طرف دیکھا اور فوراً ہی اپنا وائلن اٹھا کر بجانے لگے۔ وہ گا رہے تھے:-

گانا:-

نیکی ڈوڈلی شہر گئے
رنگدار ہینٹ تھے پہنے ہوئے
شہر نہ ہرگز دیکھ سکے
گھر تھے بہت وہاں نئے نئے

لاورا اور میری پاگل کُتّے کا ڈرا دُنا تماشہ بھول گئیں۔

ایک بڑی بندوق جو دیکھی
سائز میں پا سے بڑی تھی
وہ تھی بھاری اور بھوسکڑ
دو گھوڑے دیتے تھے جکڑ

جب اس کو اک بار چلاتے
پاؤڈر پوری نہیں بھرتے
پا کی بندوق سے زائد
شور سے سب اس کی ڈر جاتے

پا کے پاؤں کی تھاپ ہم آہنگ تھی اور لاورا گانے کے ساتھ ساتھ تالیاں بجا رہی تھی۔

نیکی ڈوڈلی کا گانا گاؤں ہاں نیکی ڈوڈلی کا گانا گاؤں
ہاں نیکی ڈوڈلی کا گانا گاؤں نیکی ڈوڈلی کا گانا گاؤں

پورا جنگل برف سے اٹا پڑا تھا۔ سردی غضب کی تھی۔ لکڑی کا چھوٹا مکان ہی گوشۂ عافیت تھا۔ گرم بھی تھا اور محفوظ بھی۔ پا، ما، میری، لاورا اور ننھی کیری سب گھر کے

افراد اس مکان میں آرام محسوس کرتے تھے۔ وہ خوش تھے۔ رات کے وقت تو خاص اطمینان ہوتا تھا۔

انگیٹھی دہکتے انگاروں سے بھری تھی۔ یہ سردی سے بچاتی، روشنی دیتی اور جنگلی جانوروں سے بھی حفاظت کرتی تھی۔ لمبے بالوں کا بل ڈوگ جیک اور کالی بلی سوسن قریب ہی بیٹھے تھے وہ آتش دان کے شعلوں کی روشنی میں کبھی کبھی آنکھ جھپکتے رہتے تھے۔

میز پر لیمپ رکھا تھا۔ ما آرام دہ کرسی پر بیٹھی اس کی روشنی میں سیتی تھی۔ لیمپ نہایت صاف اور شفاف تھا۔ اس کا پیندا شیشہ کا تھا۔ مٹی کے تیل کے ساتھ نمک ملا تھا تاکہ لیمپ کی تمازت سے وہ ٹوٹ نہ جائے۔ نمک کے علاوہ چھوٹے چھوٹے سرخ باتات کے ٹکڑے بھی تیل میں ملے تھے، جن کی آمیزش اس کو خوبصورت بناتی تھی۔ یہ واقعی بہت اچھا معلوم دیتا تھا۔

لاورا لیمپ کی بہت دلدادہ تھی شیشہ کی صاف چمنی۔ بتی کی زرد روشنی کی لو اور پیندے میں سرخ باتات کے ٹکڑے سبھی اس کے لئے بہت دلکش تھے۔

آتشدان میں ہر وقت لپکتے شعلے بھی اُسے بھلے معلوم دیتے۔ ان کا رنگ کبھی زرد ہوتا اور کبھی سرخ۔ جلتی ہوئی لکڑی کے اوپر اسکا رنگ ہرا ہوتا اور اکثر کوئلوں کے یا قوتی اور سنہرے انگارے نیلے معلوم پڑتے۔

اس وقت پا کہانیاں سناتے تھے

جب لاورا اور میری کہانیوں کے لئے اصرار کرتیں تو وہ انھیں اپنے گھٹنوں پر بٹھا لیتے اور اپنی بڑی بڑی مونچھوں سے ان کے گالوں کو گدگدا دیتے یہاں تک کہ وہ کھل کھلا کر ہنس پڑتیں۔ پا کی نیلی آنکھیں اس وقت خوشی سے بھرپور ہوتیں۔

ایک رات کالی سوسن آگ کے سامنے بیٹھی بیٹھی اپنے پنجوں کے ناخن اندر باہر کر رہی تھی۔ پا بولے۔

"کیا تم جانتی ہو کہ چیتہ بھی ایک قسم کی بلی ہے! ایک بہت بڑی جنگلی بلی!"

"ہمیں کیا معلوم"۔ لاورا نے جواب دیا۔

پا نے کہا "بالکل یہ ایک بڑی کالی بلی ہوتی ہے۔ یوں سمجھو کہ تمھاری کالی سوسن

چیتا سے بڑی ہے اور چیخنے میں چیتا سے زیادہ خوفناک ہے۔ بس یہی صورت چیتے کی ہوتی ہے۔"

انھوں نے لاورا اور میری کو بڑے آرام سے اپنے گھٹنوں پر بٹھا لیا اور کہا کہ "میں آج تمھیں گرانڈ پا اور چیتے کا قصہ سناؤں گا۔"

لاورا بولی۔ "آپ کے گرانڈ پا کا"

"نہیں لاورا۔ "تمھارے گرانڈ پا اور میرے پا کا"

"اچھا اب سمجھی"۔ لاورا نے کہا۔ وہ پا کے بازوؤں سے چمٹ گئی۔ وہ گرانڈ پا کو اچھی طرح جانتی تھی۔ وہ دور جنگل میں لکڑی کے مکان میں رہتے تھے۔

پا نے شروع کیا۔

"ایک دفعہ تمھارے گرانڈ پا شہر گئے۔ واپسی پر دیر ہو گئی۔ اپنے گھوڑے پر تاریک جنگلوں سے گذر رہے تھے۔ رات کی تاریکی چھا چکی تھی۔ اندھیرے میں سڑک بھی اچھی طرح نہ دیکھی جا سکتی تھی۔ ایسی حالت میں انھوں نے قریب ہی ایک چیتے کا غرانا سنا ان کے ہوش خطا ہو گئے۔ ان کے پاس کوئی بندوق نہ تھی۔"

لاورا نے پوچھا "چیتا کیسے غراتا ہے؟"

"ایک عورت کی طرح" پا نے مذاق سے کہا "اس طرح" انھوں نے غرانے کی ہو بہو نقل اتار دی۔

لاورا اور میری ڈر کر لرز گئیں۔

ما بھی غرانے کی آواز سن کر اپنی کرسی سے اچھل گئی۔ "رحم کرو چارلس" وہ چلائی لیکن میری اور لاورا اس ڈراونی ایکٹنگ سے خوش تھیں۔

پا نے کہانی پھر شروع کر دی۔

"گرانڈ پا کا گھوڑا بھی ڈر کر بھاگ رہا تھا۔ لیکن چیتے سے چھٹکارا نہیں مل رہا تھا۔ جنگل کی تاریکی میں وہ پیچھا کرتا ہی جا رہا تھا۔ وہ بھوکا تھا۔ اس کی دوڑ بھی گھوڑے جتنی ہی تھی۔ اس کی غراہٹ کبھی سڑک کے ایک طرف سنائی دیتی اور کبھی دوسری طرف۔ وہ

برابر پیچھا کر رہا تھا اور بھاگا چلا آتا تھا۔

"ایک دفعہ تو پاپا نے اسے درخت کی ایک چوٹی سے دوسری چوٹی پر کودتے ہوئے بھی دیکھا۔

"وہ ایک بڑا کالا چیتا تھا اور ہوا میں ایسے پھلانگ رہا تھا جیسے ہماری کالی سوسن۔ اس سے تو کتنی گنا بڑا تھا۔ وہ اسقدر خوفناک تھا کہ اگر گرانڈپا پر کود جاتا تو اپنے بڑے اور خونخوار جبڑوں اور لمبے تیز دانتوں سے دم کے دم میں ان کا کام تمام کر دیتا۔

"گرانڈپا اپنے گھوڑے پر اس طرح دوڑ رہے تھے جیسے ایک چوہا بلی سے ڈر کر بھاگتا ہے۔

"چیتے کا غرانا اب بند ہو گیا تھا۔ وہ دکھائی بھی نہیں پڑتا تھا۔ لیکن انھیں یہ بات معلوم تھی کہ وہ بڑی تیزی سے تاریک جنگل میں ان کا پیچھا کر رہا ہے گھوڑا اپنی پوری طاقت سے سرپٹ دوڑ رہا تھا۔

"آخر کار گھوڑے نے گرانڈپا کا گھر جا لیا۔ ایک دفعہ پھر انھوں نے چیتے کو پھلانگ لگاتے دیکھا۔ وہ فوراً گھوڑے سے کود کر دروازہ پر آ رہے۔ اور اندر گھس کر کواڑ بند کر لئے۔ آناً فاناً میں چیتہ گھوڑے کی پیٹھ پر سوار تھا۔ بالکل اسی جگہ جہاں ایک لمحہ پہلے گرانڈپا بیٹھے تھے۔

"گھوڑا خوفزدہ ہو کر ہنہناتا دوڑا۔ وہ جنگل کی طرف بے اوسان بھاگ رہا تھا۔ چیتہ بھی کمر پر سوار تھا۔ وہ جبڑے سے گھوڑے کی پیٹھ کو زخمی کر رہا تھا۔

"گرانڈپا دوڑے۔ دیوار سے بندوق اتاری اور بھاگ کر کھڑکی سے چیتے پر داغ دی۔ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

"گرانڈپا نے اس دن سے تہیہ کیا کہ وہ اب کبھی سنسان جنگل میں بغیر بندوق کے نہیں جائیں گے"

جب پاپا یہ قصہ سنا رہے تھے تو لاورا اور میری پر لرزہ طاری تھا۔ وہ سہم کر ایک دوسرے کے قریب ہو گئیں تھیں۔ یہ بات اپنی جگہ تھی کہ وہ پاپا کے گھٹنوں پر بیٹھی ہوئی

بڑی محفوظ تھیں، اور پا کی باہوں نے ان کے گرد حلقہ بنا رکھا تھا۔

وہ چاہتی تھیں کہ آگ اس طرح ناچتی رہے۔ کالی سوسن چولہے کے فرش پر آگے کی طرف بیٹھی ہوا اور جیک وہاں آرام کر رہا ہو۔ جب انھوں نے گیدڑ کی آواز سنی تو جیک نے بھی اپنا سر اوپر اٹھایا۔ اس کی کمر کے بال کھڑے ہو گئے۔ لاورا اور میری نے جنگل کی تاریکی اور خنکی میں ان کے رونے کی آواز تو سنی مگر وہ خوفزدہ نہ تھیں۔

وہ لکڑی کے بنے ہوئے مکان میں بڑے امن و امان میں تھیں۔ اگرچہ مکان کے باہر چاروں طرف برف ہی برف پڑی تھی۔ زناٹے کی خنک ہوا باہر شور مچا رہی تھی کیونکہ اس کا گزر مکان کے اندر آگ کے قریب نہیں ہو سکتا تھا۔

تیسرا باب

بڑی بندوق

کہانیاں شروع کرنے سے پہلے پا شام کے وقت بندوق کے چھرے تیار کرتے تاکہ دوسرے دن کام میں لایا جا سکے۔ لاورا اور میری ان کی مدد کرتیں۔ وہ لمبے دستے والا بڑا چمچا، سیسے کے ٹکڑوں سے بھرا صندوقچہ اور گولیاں بنانے کا سانچہ اٹھا لاتیں۔ پا چولہے کے فرش پر بیٹھ کر چھرے بناتے اور یہ دونوں دائیں بائیں کھڑے ہو کر انھیں دیکھتی رہتیں۔

پہلے وہ سیسے کے ٹکڑے کر چمچے میں ڈالتے اور انھیں کوئلوں کی آگ میں پگھلا لیتے جب وہ پگھل جاتے تو چمچے کے ذریعہ بڑی احتیاط سے سانچے کے چھوٹے سوراخ میں ڈالتے ایک منٹ بعد وہ سانچے کو کھولتے۔ اس میں سے ایک نئی چمکدار گولی چولہے کے فرش پر گر پڑتی۔

گولی اس قدر گرم ہوتی کہ اس کو ہاتھ نہیں لگایا جا سکتا تھا لیکن اس کی چمک اس قدر دلکش تھی کہ لاورا اور میری اس کو ہاتھ لگائے بغیر نہ رہتیں۔ کبھی کبھی تو وہ اپنی انگلیاں

ہمیں جلا ڈالتیں لیکن وہ اُف تک نہ کرتی تھیں۔ چونکہ پا نے انھیں منع کر رکھا تھا کہ وہ تازہ گولی کو ہاتھ نہ لگائیں۔ اگر ان کی انگلیاں جلتی تھیں تو یہ ان کا اپنا قصور تھا۔ انھیں پا کی ہدایت ماننی چاہیئے تھی۔ اس لئے اگر کبھی ایسا ہوتا بھی تو وہ اپنی انگلیاں منہ میں رکھ کر ٹھنڈا کر لیتیں اور پھر پا کو گولیاں بناتے دیکھنے میں مشغول ہو جاتیں۔

یہ نئی گولیاں پا تھیلے میں ڈالتے رہتے۔ پا نے یہ خوبصورت تھیلا سانبھر کی کھال سے تیار کیا تھا جسے پا شکار کر کے لائے تھے۔

گولیاں تیار ہونے کے بعد پا دیوار سے بندوق اتارتے۔ برفیلے جنگل میں پھرنے کی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ اس میں نمی اتر گئی ہو۔ ویسے بھی بارود کے دھوئیں کی وجہ سے اس کی نال کا اندرونی حصہ تو ضرور گندہ ہوتا تھا۔ پا بندوق کی نال سے سامنے کی طرف لگے ہوئے گز کو نکالتے اور اس کے آخری سرے پر صاف کپڑا باندھتے۔ آتشدان پر رکھے ہوئے طاس میں وہ بندوق کا کندہ کھڑا کرتے اور چائے کی کیتلی سے ابلتا ہوا پانی نال میں ڈالدیتے۔ پھر گز کو کئی بار اوپر نیچے گھمایا جاتا یہاں تک کہ گرم پانی نال سے بارود کا دھواں دھو دیتا اور پانی کالا ہو جاتا۔ یہ گندہ پانی گھوڑے کے سوراخ سے باہر بہہ جاتا۔

پا پھر پانی ڈالتے اور گز پر بندھے کپڑے سے بندوق کی نال کو اندر سے خوب رگڑتے یہاں تک کہ باہر بہنے والا پانی بالکل صاف ہوتا جس کے معنی یہ ہوتے کہ اب بندوق اندر سے صاف ہو گئی ہے۔ صفائی کے لئے ابلتا ہوا پانی ہونا ضروری ہے تاکہ اس کی گرمی سے بندوق کا لوہا فوراً خشک ہو جائے۔

پا ایک اور صاف چیتھڑا لیتے اس کو چکنا کر کے گز پر لپیٹ دیتے اور بندوق کی نال ٹھنڈا ہونے سے پیشتر ہی اس میں پھیرتے۔ دوسرا چکنائی دار کپڑا وہ بندوق کے باہر تمام حصوں پر رگڑ دیتے جس سے اس کا ہر حصہ چکنا اور چمکدار ہو جاتا۔ اس کے بعد بندوق کا کندہ رگڑا جاتا جس سے اس کی لکڑی صاف اور چمکدار ہو جاتی۔

وہ اب بندوق بھرنے کے لئے تیار تھے۔ لاورا اور میری ان کا ہاتھ بٹانے کیلئے

تھیں وہ سیدھے کھڑے ہو گئے۔ نال نیچی کر کے انھوں نے کندہ کو اپنے ہاتھ میں دبا لیا اور بولے "تم مجھے دیکھتی رہو۔ جب میں غلطی کروں تم ٹوک دینا۔"

وہ بہت غور سے دیکھتی رہیں لیکن پا نے کوئی غلطی نہیں کی۔

لاورا نے گائے کے سینگ کی چمکدار اور صاف بارود بھری کپّی انھیں پکڑا دی۔ اس کے اوپر لوہے کی ڈاٹ تھی۔ پا یہ کپی بارود سے بھر لیتے اور کچھ بارود بندوق کی نال میں ڈال لیتے تھے۔ تب وہ بندوق کو تھوڑا ہلاتے اور نال کو معمولی سا تھپکا دیتے تاکہ بارود ٹھیک طور پر تہہ میں بیٹھ جائے۔

وہ پوچھتے "چندی کا بکس کہاں ہے؟" اور میری فوراً ہی چکنے چیتھڑوں سے بھرا بکس تھما دیتی۔ پا اس میں سے ایک چیتھڑا نال کی سوراخ پر رکھ دیتے۔ اس کے اوپر ایک نئی گولی رکھ دی جاتی اور ان دونوں کو گز کے ساتھ نال کی تہہ میں دھکیل دیا جاتا۔

تب وہ بارود کے اوپر ان کی تہہ جما دیتے۔ جب وہ گز سے ان پر چوٹ لگاتے تو گز اچھل اچھل جاتا۔ پا اس کو اوپر آتے ہی پکڑ لیتے اور پھر زور کے ساتھ نال کے اندر چوٹ لگاتے۔ یہ سلسلہ کافی دیر تک جاری رہتا۔

یہ ختم کرنے کے بعد وہ گز کو بندوق کی نال کے ساتھ اس کی جگہ لگا دیتے۔ تب وہ اپنی جیب سے ٹوپیوں کی ڈبیہ نکالتے۔ بندوق کا گھوڑا اٹھایا جاتا اور ایک چمکدار ٹوپی گھوڑے کے نیچے سوراخ دار پن پر چڑھا دیتے۔

وہ گھوڑے کو آہستگی سے بڑی احتیاط کے ساتھ اپنی جگہ لے آتے۔ اگر احتیاط نہ برتی جائے اور گھوڑا ایک دم آ رہے تو زبردست آواز کے ساتھ بندوق چل جائے۔

اب بندوق بھری جا چکی ہے اور پا نے اس کو اپنی جگہ کھونٹی کے سہارے اوپر رکھ دیا ہے جب پا گھر میں ہوتے ہیں تو بندوق دروازہ کے اوپر دو کھونٹیوں کے سہارے رکھی ہوتی ہے۔ پا نے ان کھونٹیوں کو ہری شاخیں تراش کر اپنے چاقو سے بنایا تھا۔ ان کے نوکیلے سروں کو لکڑی میں کافی گہرے ٹھوک دیا تھا۔ کھونٹی ل

اوپر کی طرف اٹھی ہوئی تھیں تاکہ وہ بندوق کو گرنے نہ دیں۔

بندوق ہمیشہ بھری رہتی تھی۔ اسے دروازے کے قریب اس لئے رکھا جاتا تھا کہ جب بھی پاپا کو اس کی ضرورت پیش آئے وہ آسانی سے فوراً اسے اتار سکیں۔

پاپا جب بھی جنگل کے لئے نکلتے پہلے وہ یہ دیکھتے تھے کہ گولیوں کی تھیلی بھری ہے اور چیتھڑوں اور ٹوپیوں کی ڈبیہ جیب میں موجود ہے۔ بارود والی سینگ کی کپی اور چھوٹا تیز تبر ان کی پیٹی سے لٹکے ہوتے اور بھری بندوق ان کے کندھے پر۔

بندوق جونہی ایک مرتبہ چل جاتی پاپا اسے فوراً دوبارہ بھر لیتے۔ وہ خالی بندوق رکھ کر کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتے تھے۔

وہ جب کبھی بھی کسی جنگلی جانور پر بندوق کا فائر کرتے تو پہلا کام دوبارہ بندق کے بھرنے کا تھا۔ اندازہ سے بارود لیتے۔ نال میں ڈال کر ہلاتے اور تہ میں جما دیتے۔ چیتھڑے اور گولی اوپر سے جما دی جاتیں اور نئی ٹوپی گھوڑے کے نیچے پن کو پہنا دی جاتی تاکہ کسی وقت بھی دوبارہ ضرورتاً پر فائر کیا جا سکے۔ وہ ہمیشہ ریچھ اور چیتہ کو پہلے ہی نشانہ میں ہلاک کر دیتے تھے چونکہ ایک زخمی ریچھ یا چیتہ آدمی کو بھی ہلاک کر سکتا ہے۔ وہ دوسری مرتبہ بندوق بھرنے کا موقع کم ہی دیتا ہے۔

پاپا جنگل میں تنہا ہی جاتے مگر لاورا اور میری کبھی بھی پریشان نہ ہوتیں چونکہ وہ جانتی تھیں کہ پاپا ہمیشہ ریچھ اور چیتوں کو پہلی ہی گولی سے نشانہ بنا دیتے ہیں۔

گولیاں بننے اور بندوق کی بھرائی کے بعد اب کہانیوں کی باری تھی۔

لاورا نے درخواست کی "ہمیں جنگل کی آوازوں کے متعلق کوئی کہانی سنائیے"۔

پاپا نے اپنی آنکھیں مٹکاتے ہوئے کہا "ارے نہیں۔ کیا تم میری بچپنے کی شرارتوں کے متعلق نہیں سنوگی"۔ "ہاں ہاں۔ ضرور۔ ضرور پاپا!" میری اور لاورا نے چلا کر کہا۔ تب پاپا نے یوں شروع کیا

پاپا اور جنگل کی آواز کی کہانی

"میں بچہ ہی تھا جیسی لاورا جتنا۔ ہر شام مجھے گائیں گھیر کر گھر لانی ہوتی تھیں

میرے باپ کی یہ ہدایت تھی کہ راستہ میں ہرگز نہیں کھیلنا بلکہ شام ہونے سے پہلے ہی جلدی سے تمام گائیں گھر لے آنا۔ جنگل میں بھیڑیوں۔ ریچھوں اور چیتوں کا خدشہ تھا۔

"ایک دن میں جلد ہی گھر سے نکل گیا۔ وقت بہت تھا۔ جلدی کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ جنگل میں سینکڑوں ہی چیزیں دیکھنے کے لئے تھیں۔ میں یہ بھول ہی گیا کہ شام بہت قریب ہے۔ درختوں پر سرخ رنگ کی گلہریاں اور ایسے ہی دوسرے جانور دوڑتے بھاگتے پتوں میں چھپ جاتے تھے۔ جھاڑیوں سے نکل کر جنگلی خرگوش آپس میں اٹکھیلیاں کرتے تھے۔ جنگلی خرگوش آرام کرنے سے پہلے ہمیشہ آپس میں کھیلتے ہیں۔

"اس ماحول میں میں نے اپنے آپ کو ایک بڑا ماہر شکاری سمجھا۔ جنگلی جانوروں اور قدیم حبشیوں کے قدموں کے نشانات کی جستجو شروع کر دی۔ میں اس طرح کھیل رہا تھا گویا جنگجو حبشیوں سے نبرد آزما ہوں۔ مجھے ہر ایک درخت ایک جنگلی آدمی معلوم دے رہا تھا۔ یکایک پرندوں کی چہچہاہٹ نے "شب بخیر" کا اعلان سنا دیا۔ راستہ میں دھندلاہٹ چھا چکی تھی اور جنگل میں اندھیرا چھا گیا تھا۔

"مجھے یہ پتہ تھا کہ رات کی تاریکی سے پہلے پہلے تمام گائیں گھر پہنچا دینی چاہئیں تاکہ وہ باڑے میں محفوظ ہو جائیں۔ لیکن ان کا تو پتہ تک نہ تھا۔ ان کی گردن میں بندھی ہوئی گھنٹیوں کے سننے کی میں نے بہت کوشش کی۔ اپنی آواز میں انھیں پکارا۔ لیکن یہ سب بیکار رہا۔

"تاریکی اور جنگلی جانوروں کا خوف مجھ پر مسلط تھا۔ لیکن بغیر گائیوں کے گھر لوٹنا بھی میرے بس کی بات نہ تھی۔ میں ان کی تلاش کرتا تمام جنگل میں دوڑتا پھرا۔ بہت ہی آوازیں دیں وقت گذرتا جا رہا تھا گہرے سیاہ سائے سامنے تھے۔ جنگل ڈراؤنا بن گیا تھا۔ ہر درخت اور جھاڑی عجیب معلوم دیتی تھی۔

"کہیں بھی گائیوں کا پتہ نہ چل سکا۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھا۔ ندیوں کی گھاٹیوں میں گھسا۔ ادھر ادھر ہر طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ آوازیں دیں۔ رک رک کر ان کے گلے میں بندھی گھنٹیوں کے سننے کی بار بار کوشش کرتا رہا مگر سب

بیسود تھا۔ سوائے پتوں کی آہستہ سنسناہٹ کے اور کچھ معلوم نہ دیتا تھا۔ تھی۔

"اسی حالت میں مجھے ایک گہرے سانس کی آواز کا شبہ ہوا۔ سمجھا کہ کوئی چیتہ پیچھا کر رہا ہے۔ لیکن یہ واہمہ تھا اور وہ میرے ہی سانس کی آواز تھی۔

"میں بے اوسان ہو کر بھاگتا جاتا تھا۔ میری ٹانگوں پر جھاڑیوں کے گھرونٹ لگتے جاتے تھے۔ خاردار جھاڑیاں بار بار روک لیتی تھیں۔ لیکن میں بدحواسی کے عالم میں بھاگتا چلا جاتا تھا اور پوری طاقت سے اپنی گائیں ڈھونڈتا "سوکے" کی آواز دیتا جاتا تھا۔

"بالکل میرے سر کے اوپر کسی نے کہا "ہو" (کون) خوف سے میرے سر کے بال کھڑے ہو گئے۔ پھر "ہو" "ہو" کی آواز آئی۔ تمھیں کیا بتلاؤں پھر تو میں کیسے دوڑا۔ سب گائیں وائیں بھول گیا۔ اب تو یہی ایک خواہش تھی کہ کس طرح اس تاریک جنگل سے نکل کر گھر پہنچ جاؤں۔

"تاریکی میں وہ نامعلوم شے میرے ساتھ تھی۔ پھر آواز آئی "ہو" میں سرپٹ دوڑا مجھے کچھ خبر نہ رہی۔

"دوڑتے دوڑتے گر پڑتا۔ جیسے کوئی آگے بڑھنے سے روکتا ہو۔ پھر ایک دم کود کر کھڑا ہو جاتا اور بھاگنا شروع کر دیتا۔ اس میں اتنا تیز دوڑ رہا تھا کہ بھیڑیا بھی چاہتا تو پکڑ نہ سکتا۔

"آخر کار ایک ہی سانس میں دوڑتا دوڑتا تاریک جنگل سے نکل باڑے تک آ پہنچ گیا۔ یہاں دیکھا تو تمام گائیں باہر دروازہ پر اندر جانے کے لئے انتظار کر رہی تھیں۔ انھیں اندر کیا اور گھر آیا۔

"بابا نے دیکھتے ہی پوچھا، صاحبزادے! کہاں تھے۔ کہیں راستہ میں کھیلنے لگے تھے کیا؟" میں نے اپنے پاؤں کی طرف دیکھا تو انگوٹھے کا ناخن غائب تھا لیکن ڈر کی وجہ سے اس کی تکلیف کا احساس تک نہیں ہوا تھا۔"

بابا یہاں تک قصہ سنا کے خاموش ہو گئے۔ کہانیوں میں وہ ہمیشہ یونہی کیا کرتے ہیں اور ذرا انتظار کے بعد بولی "سنائیے بابا۔ آگے سنائیے۔"

"اچھا" پا بولے۔ تب تمھارے گرانڈ پا صحن میں گئے اور ایک مضبوط سی قمچی توڑ لائے۔ انھوں نے گھر میں آکر مجھے پیٹنا شروع کر دیا تاکہ آئندہ کیلئے میں ان کی ہدایت کا پورا پورا خیال رکھ سکوں۔

"در اصل نو سال کا بچہ ہدایت یاد رکھنے کے لائق ہوتا ہے۔ جب میں تمھیں کوئی کام کرنے کے لئے کہتا ہوں تو یہ بات خوب اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ تم اپنی عمر کے لحاظ سے اس کو سمجھ سکو۔ اگر تم ان ہدایات پر عمل کرو جو تمھیں دی جاتی ہیں تو تمھیں کوئی گزند نہیں پہنچ سکتی۔

"بالکل ٹھیک ہے پا" لاورا نے پا کے گھٹنوں پر کودتے ہوئے کہا۔ "لیکن گرانڈ پا نے آپ کو کیا نصیحت کی تھی؟"

"انھوں نے کہا اگر تم میری ہدایت پر عمل کرتے جیسا کہ تمھیں کرنا چاہیئے تھا، تو تم رات ہونے سے پیشتر ہی تاریک جنگل سے آجاتے۔ پھر تمھیں اُلّو کی ذرا ذرا سی بولی سے اس قدر خوف نہ آتا۔"

چوتھا باب

کرسمس

بڑے دن کا تہوار نزدیک تھا۔

لکڑی کا چھوٹا سا مکان تقریباً برف میں دب گیا تھا۔ دیواروں اور کھڑکیوں پر برف کے تودوں کا انبار تھا۔ صبح کے وقت جب پا نے دروازہ کھولا تو برف کی دیوار سامنے تھی جس کی لمبائی لاورا کے قد سے کسی طرح بھی کم نہ تھی۔ پا نے پھاوڑے سے اس کو ایک طرف ہٹایا۔ باڑے میں گائیں اور گھوڑے اگرچہ محفوظ تھے مگر وہاں تک جانے کے لئے راستہ صاف کرنا پڑا۔

دن روشن اور چمکیلا تھا۔ لاورا اور میری کرسی پر کھڑی ہو گئیں۔ انھوں نے

کھڑکی کے باہر جھانکا تو زمین اور درختوں پر سفید برف دھوپ میں چمک رہی تھی۔ درختوں کی ننگی اور کالی شاخیں اب برف سے بھرپور تھیں۔ دھوپ نے انھیں دمکا رکھا تھا۔ برف کی قلمیں چھت کے چھجوں سے لٹک کر نیچے برف کے ڈھیر میں مل رہی تھیں ان کی جسامت بھی لاورا کی بانہوں جتنی تو ضرور ہوگی۔ یہ شیشہ کی مانند صاف اور شفاف تھیں۔ ان میں سے تیز روشنی چمکتی تھی۔

پاجب باڑے سے واپس ہوئے تو ان کے سانس کی ہوا جم کر دھواں معلوم دیتی تھی منہ کے اندر سے سانس بالکل بادلوں کی طرح نکلتا تھا اور ان کی داڑھی اور مونچھوں پر سفید دھند کی مانند جم جاتا تھا۔

انھوں نے اندر آتے ہی اپنے جوتوں سے برف جھاڑی اور لاورا کو پکڑ کر اوپر اُٹھا دیا اور پھر اپنے بڑے اور سرد کوٹ کے ساتھ چمٹا کر اپنی چھاتی سے لپٹا لیا۔ اس وقت ان کی داڑھی پگھلے ہوئے دھند کے قطروں سے بھرپور تھی۔

وہ کئی دن سے لکڑی کے ایک بڑے اور چھوٹے تختوں پر کام کر رہے تھے۔ ان تختوں کو اپنے چاقو سے چھیلتے اور ریگ مال سے تھپیلی لگا کر انھیں رگڑا جاتا یہ اس قدر صاف ہوگئے تھے کہ جب لاورا نے ان پر اپنا ہاتھ پھیرا تو وہ ریشم کی طرح چکنے اور چمکدار تھے۔

رندے کی صفائی کے بعد اب دوسرا کام شروع کیا۔ انھوں نے ایک تیز چھری سے تختوں کے کناروں پر چوٹیاں اور مینارے نکالے۔ بیچ والے پہلو پر ایک بڑا ستارہ بنایا گیا۔ باقی لکڑی کے تختوں پر سوراخ کر لئے گئے۔ ان سوراخوں کو کھڑکیوں ننھے ستاروں، ہلال اور مختلف دائروں کی شکل میں تراشا گیا۔ ان کے چاروں طرف چھوٹے چھوٹے پتے خوبصورت پھول اور حسین پرندے تراشے گئے۔

ایک چھوٹے خوبصورت بورڈ کو صفائی سے شمار شکل دی گئی۔ اس کے کناروں پر بھی خوبصورت پتے پھول اور ستارے کندہ کئے گئے اور ہلال اور دائروں کی شکلیں بنائی گئیں۔

سب سے چھوٹے بورڈ کے اردگرد انھوں نے پھیلتی ہوئی انگور کے بیل کی پچی کاری کی تھی۔ انھوں نے نوکدار چوب تراش بنائے تھے جو بڑی احتیاط اور آہستگی کے ساتھ کاٹتے تھے اور وہ ذہنی اختراع سے بہترین شکلیں بنا ڈالتے تھے۔

آخر کار ایک رات سب کام مکمل کر لیا گیا اور پھر ان تختوں کو آپس میں جوڑ دیا گیا۔ اور اس طرح ایک دیوارگیری تیار ہو گئی۔ بڑے خوبصورت نقشین بورڈ نے دیوارگیری کے اندرونی پشتہ کی جگہ لی۔ بالائی حصہ پر بڑا ستارہ تھا۔ یہ دیوارگیری ایک خمیدہ تختہ پر جمی تھی جو خود بھی بہت نفیس تھا۔ دیوارگیری کے کناروں پر انگور کی بیل بنی تھی۔ اس کی پچی کاری نہایت ہی دیدہ زیب تھی۔

پا نے یہ دیوارگیری اس لئے تیار کی تھی کہ ما کو کرسمس کے دن بطور تحفہ دے سکیں اسے دونوں کھڑکیوں کے درمیان دیوار پر تختے لگا کر جما دیا گیا۔ ما کے پاس چینی مٹی کی ایک گڑیا عورت تھی جسے اس دیوارگیری پر کھڑا کر دیا گیا۔ گڑیا کے سر پر ٹوپی تھی۔ اس کی چوٹی کے بال گردن تک لٹکے ہوئے تھے۔ اگلے دامن پر بیل بوٹے بنے تھے۔ اس کا پیش بند ہلکا گلابی تھا۔ پاؤں میں چمکیلے جوتے تھے۔ یہ سب چینی مٹی کے ڈھلے ہوئے تھے۔ وہ بڑی نفاست سے دیوارگیری پر کھڑی تھی۔ اس کے اردگرد پھول پتیاں۔ پرندے اور چاند تراشے ہوئے تھے۔ سب سے اونچا ایک بڑا ستارہ تھا۔

ما تمام دن کرسمس تہوار کے لئے لذیذ چیزیں پکانے میں مشغول رہی۔ انھوں نے نمکین خمیری اور رائی کی روٹی تیار کی۔ سویڈش کراسے بسکٹ بنائے۔ سور کا نمکین گوشت پکایا۔ شیرہ ملا کر ایک بڑی دیگچی میں پھلکیاں تیار کیں۔ انھوں نے سرکہ اور سیب بھر کر مختلف قسم کے سموسے پفی تیار کئے۔ چھوٹے کیکوں سے ایک مرتبان بھر لیا۔ کڑچھے میں لگی کھرچن لارا اور میری کو دے دی گئی۔

ایک صبح انھوں نے راب اور شکر ملا کر خوب پکایا جس سے گاڑھا شیرہ تیار ہو گیا۔ پا باہر سے دو رکابیوں میں صاف اور شفاف برف بھر لائے۔ ایک رکابی لارا اور ایک میری کو دیدی گئی۔ پا اور ما نے انھیں بتایا کہ کس طریقہ پر باریک دھار سے

کالا شیرہ برف کے اوپر ڈالا جاتا ہے۔

انھوں نے شیرے کی دھار سے مختلف قسم کے خمدار نشانات اور لہرئے بنائے یہ آن کی آن میں سخت قند بن گئے۔ لاورا اور میری کو ایک ایک قند چکھنے کے لئے دیدیا جاتا۔ باقی کرسمس کے لئے اُٹھا رکھے گئے۔

کرسمس منانے کے لئے چچی الیزا، چچا پیٹر، بھتیجے پیٹر، الائیس اور ایلا یہاں آنے والے تھے اور یہ سب خصوصی انتظام ان کے لئے کیا جارہا تھا۔

وہ سب کرسمس سے ایک دن پہلے آگئے۔ بے پہیئے کی گاڑی کی گھنٹیاں میری اور لاورا کے کانوں میں گونج گئیں۔ ہر لمحہ ان کی آواز تیز ہوتی جاتی تھی۔ آخر کار گھنٹی بجاتی ہوئی گاڑی درختوں کی اوٹ سے نکل کر سامنے آگئی۔ اس کے بعد ہی وہ دروازہ پر تھی۔ چچی الیزا، چچا پیٹر اور بھتیجے ایک ایک کر کے گاڑی سے اترے۔ وہ سب گرم کمبل ہونے کپڑے اور بھینس کی کھالوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔ وہ کوٹ، مفلر، شالیں اور نقاب پہنے تھے اور ہر ایک اچھا خاصا بے ترتیب بنڈل معلوم ہوتا تھا۔

ان کے آتے ہی یہ چھوٹا گھر خوب بھر گیا۔ ہر طرف رونق تھی۔ کالی سوسن بھاگ کر باہر باڑے میں جا چھپی تھی۔ جیک آگے پیچھے کودتا جاتا اور بھونکتا تھا۔ یوں معلوم دیتا تھا کہ اس کا بھونکنا آج کم ہی نہ ہوگا۔ اب کھیلنے کے لئے کافی بھائی بہن تھے۔

جونہی چچی الیزا نے پیٹر، الائیس اور ایلا کے فالتو کپڑے اتارے میری اور لاورا نے ان کے ساتھ بھاگ کر گھر سر پر اٹھا لیا۔ مگر جلدی ہی چچی الیزا نے انھیں خاموش رہنے کی ہدایت کر دی۔ الائیس بولا "میں بتلاؤں کہ کیا کریں؟ آؤ تصویریں بنا کر کھیلیں"۔

الائیس بولا کہ یہ کھیل تو باہر ہی جاکر کھیلنا ہوگا۔ مگر ما کا خیال تھا کہ باہر کھیلنے کی وجہ سے لاورا کو سردی لگ جائے گی لیکن جب ما نے لاورا کو غمگین پایا تو اسکو بھی

تھوڑی دیر کے لئے باہر جانے کی اجازت دے دی گئی۔ اس نے لاورا کو کوٹ اور دستانے
پہنائے۔ سر پہ پھندنے دار گرم ٹوپی اڑھائی۔ گردن کے چاروں طرف مفلر لپیٹ دیا
اور اس طرح لاورا کو باہر جانے دیا گیا۔

لاورا نے آج تک ایسا عجیب کھیل کبھی نہ کھیلا تھا۔ وہ تمام دن باہر ہی الائیس
ایلا۔ پیٹر اور میری کے ساتھ تصویریں بنا بنا کر کھیلتی رہی۔ تصویروں کا کھیل اس
طرح تھا کہ ان میں سے ہر ایک کٹے ہوئے درخت کے جڑ ونڈے پر کھڑا ہو جاتا
اور ایک دم دونوں بانہیں پھیلا کر دھڑام سے گہری اور گداز برف میں آگرتا۔ وہ
منہ کے بل گرتا۔ تب وہ اس طرح سنبھل کر اٹھتا کہ برف پر اس کے گرنے کے
نشانات خراب ہونے نہ پاتے۔ جب سب باری باری یہ کھیل پورا کرتے تو برف کی
سطح پر پانچ گہرے نقوش ہوتے۔ یہ چار لڑکیوں اور ایک لڑکے کی ہو بہو تصویر ہوتی
بانہیں، ٹانگیں اور تمام بدن صاف معلوم دیتا جس کو وہ اپنی تصویریں کہتے تھے۔

وہ تمام دن اس کھیل میں جُتے رہے۔ وہ اس قدر تھک گئے تھے کہ رات ہوتے ہی
انھیں نیند نے ستانا شروع کر دیا تھا۔ سونا یوں بھی ضروری تھا کہ اگر وہ نہیں سوئیں گے
تو "سانتا کلاز" ان کے پاس نہیں آئیں گے۔ اس لئے انھوں نے اپنی جرابوں کو انگیٹھی
کے قریب لٹکا دیا اور عبادت سے فارغ ہو کر بستر پر چلے گئے۔ الائیس۔ ایلا۔ میری اور
لاورا ان چاروں کے لئے فرش پر ایک بڑا بستر بچھا دیا گیا۔

پیٹر کے لئے کھٹولا تھا۔ چچی الیزا اور چچا پیٹر کے سونے کے لئے ایک بڑا پلنگ
تھا۔ پا اور ما کے لئے کمرہ میں علیحدہ انتظام تھا۔ چچا پیٹر اپنی بیل پہیے کی گاڑی
سے بھینس کی کھال کے اوڑھنے بچھونے اور کمبل نکال لائے تھے۔ ہر ایک کے پاس
اوڑھنے کا کافی سامان موجود تھا۔

پا اور ما۔ چچی الیزا اور چچا پیٹر آگ کے پاس بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ لاورا
نے نیند میں اونگھتے ہوئے سنا کہ چچا پیٹر کہہ رہے تھے

"جس دن میں لیک شہر گیا۔ الیزا بال بال بچ گئی۔ تم میرے بڑے کتے پرنس کو

جانتے ہو نا؟"

لاورا نے اپنے آپ کو ہوشیار کر لیا۔ وہ ہمیشہ کتوں کے متعلق کچھ نہ کچھ سننے کی خواہشمند رہتی تھی۔ ویسے تو وہ چوہے کی طرح دبکی پڑی تھی مگر کھڑکی باندھے کواڑی کی دیوار پر جھلملاتی روشنی میں چچا پیٹر کی طرف متوجہ تھی۔

چچا پیٹر کہہ رہے تھے "ہاں۔ صبح ہی الیزا چشمہ پر پانی کی بالٹی بھرنے گئی۔ پرنس اس کے ساتھ تھا۔ جونہی وہ کھڈ کے کنارے پر پہنچی جہاں سے نیچے چشمہ کی طرف راستہ جاتا تھا تو پرنس نے فوراً پیچھے سے فراک پکڑ کر کھینچنا شروع کر دیا۔

"آپ جانتے ہی ہیں کہ وہ کتنا قدآور کتا ہے۔ الیزا نے بہت دھکایا لیکن وہ چھوڑتا ہی نہیں تھا۔ وہ اس قدر مضبوط اور ڈیل ڈول والا تھا کہ اس کے مقابلہ میں الیزا کی ایک نہ چلی۔ وہ پیچھے ہی کی طرف کھینچتا تھا یہاں تک کہ اس نے فراک کا ٹکڑا پھاڑ ڈالا۔"

چچی الیزا نے ماں کی طرف متوجہ ہو کر کہا "وہ نیلی چھینٹ کی تھی۔"

"بھئی" ارے وہ کتنی اچھی تھی۔"

چچی الیزا بولی "اس نے تو پیچھے کا ٹکڑا پھاڑ ہی ڈالا۔ جی چاہتا تھا کہ مار مار کر ہلاک کر دوں۔ چاہا کہ لاؤ آج اس کی خوب خبر لوں مگر وہ مجھ پر بھی بھونکتا تھا۔"

پا نے حیرت سے پوچھا "تعجب ہے کہ وہ تم پر بھی بھونکا۔"

"یقین مانو"۔ چچی الیزا نے کہا۔

"اس پر بھی وہ چشمہ کی طرف بڑھے جا رہی تھی۔" چچا پیٹر نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا "لیکن پرنس کود کود کر اس کے راستے میں حائل ہو جاتا تھا اور گردن اٹھا اٹھا کر بھونکتا تھا۔ حیرت کی بات اور بڑا کمال یہ کہ اس نے بالکل پرواہ نہیں کی۔ بلکہ حقیقت ہے وہ اور بھی بڑا تھا جب وہ اس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے آگے بڑھنے کی کوشش کرتی تو پرنس آگے آ کر راستہ روک لیتا اور کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا۔

جب وہ بیٹھ گئی تو وہ دور گیا۔"

ما نے کہا "اور یہ بات ڈر نے کی تھی بھی"

الیزا بول اٹھی "وہ اس قدر خونخوار معلوم پڑتا تھا گویا ابھی کاٹ کھائے گا۔
میرا تو خیال ہے کہ وہ ضرور ہی کاٹ لیتا"

اسٹ پٹا کر بولی "میں نے تو آج تک نہ ایسا سنا نہ دیکھا۔ تم نے پھر کیا کیا؟"

چچی الیزا نے جواب دیا "کرتی کیا۔ میں واپس مڑ گئی اور گھر میں داخل ہو کر فوراً
دروازہ بند کر دیا۔ بچے گھر ہی میں تھے"

چچا پیٹر بولے "اتنا تو میں جانتا تھا کہ پرنس اجنبیوں کے پیچھے لگ جاتا ہے لیکن
الیزا اور بچوں سے تو وہ بہت مانوس تھا۔ میں بے فکر ہو کر اسے گھر میں ہی چھوڑ جاتا
تھا۔ لیکن اس دن الیزا اس کا یہ رویہ ہرگز نہ سمجھ سکی۔

"الیزا کو بہت غصہ آ رہا تھا۔ وہ گھر کے اندر ادھر ادھر چکر لگاتی رہی۔ وہ
جب کبھی دروازہ کھولنے کی کوشش کرتی تو پرنس اس پر جھپٹتا اور بھونکتا تھا"

ما نے کہا "کہیں وہ پاگل تو نہیں ہو گیا تھا؟"

چچی الیزا نے جواب دیا "میرا بھی یہی خیال تھا۔ کوئی بات میری سمجھ میں نہیں
آتی تھی۔ بچوں کے ساتھ گھر میں قید تھی۔ باہر جانا دشوار ہو گیا تھا۔ ادھر گھر میں پانی
کا قطرہ تک نہ تھا۔ برف پگھلا کر پانی بنا لیتی مگر اس روز اتفاق سے برف بھی نہ تھا۔
پرنس کا یہ عالم تھا کہ جب کبھی تھوڑا سا دروازہ کھول کر باہر جھانکتی وہ میری طرف
تیزی سے جھپٹتا گویا ابھی کاٹ کھائے گا"

ما نے پوچھا "لیکن یہ صورت حال کب تک رہی؟"

چچی الیزا بولی "ارے جی تمام دن۔ شام تک یہی حال رہا۔ وہ تو اچھا ہوا کہ بندوق
پیٹر اپنے ہمراہ لے گئے تھے ورنہ تو میں اس کا کام تمام کر دیتی"

چچا پیٹر نے کہا "شام کو کافی دیر گئے وہ خاموش ہوا اور دروازہ کے سامنے ہی
لیٹ گیا۔ الیزا سمجھی کہ وہ سو گیا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ ایسی حالت میں وہ آہستگی سے
اس کے پاس سے گذر جائے گی اور چشمہ پر جا کر کچھ پانی لے آئے گی۔

"اس نے جونہی تھوڑا سا دروازہ کھولا وہ تو فوراً ہی جاگ گیا۔ جب اس نے پانی کی بالٹی ہاتھ میں دیکھی تو کھڑا ہو گیا اور حسبِ معمول کے مطابق اس کے آگے چشمہ تک گئی تب یہ معلوم ہوا کہ راستے میں چیتے کے تازہ نشانات ہیں۔"

چچی الیزا نے کہا "وہ اتنے بڑے تھے جتنی کہ میرا ہاتھ۔"

"ہاں!" چچا پیٹر بولے۔ "واقعی وہ بڑا خونخوار درندہ تھا۔ چیتے کے اتنے بڑے نشانات میں نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھے۔ خدانخواستہ اگر کہیں پرنس اس کو چشمہ پر جانے دیتا تو وہ الیزا کو چھوڑتا تھوڑا ہی۔ میں نے خود بھی اس کے نشانات دیکھے تھے۔ چشمہ پر کھڑے ہوئے بڑے صنوبر کے درخت کی آڑ میں وہ ان جانوروں کی گھات میں تھا جو وہاں پانی پینے کے لئے آتے ہیں۔ یقیناً وہ الیزا کو ہرگز نہ چھوڑتا۔

"رات ہو چلی تھی۔ جب اس نے چیتے کے نشانات دیکھے تو بالٹی بھر تیزی سے گھر دوڑی۔ پرنس اس کے ساتھ چل رہا تھا۔ وہ مڑ مڑ کر گھاٹیوں کی طرف دیکھتا جاتا تھا۔

چچی الیزا بولی "میں پرنس کو اپنے ساتھ اندر گھر میں لے گئی اور ہم سب پیٹر کے آنے تک ایک ہی جگہ رہے۔"

پا نے چچا پیٹر سے پوچھا "آپ نے بھی اس کو دیکھا؟"

"نہیں"، چچا پیٹر نے جواب دیا۔ "میں بندوق لیکر گیا۔ اسے ہر جگہ تلاش کیا۔ مگر اس کا کوئی پتہ نہ چلا۔ اس کے پنجوں کے نشانات ضرور دیکھے۔ یقین یہ ہے کہ شمال کی طرف گھنے جنگلوں میں گھس گیا۔"

لاائیس، ایلا اور میری اس وقت سبھی جاگے ہوئے تھے۔ لالتا نے اپنا منہ لحاف کے اندر چھپا کر آہستگی سے کہا "سنو کیا تمھیں ڈر نہیں لگا؟"

لاائیس نے کانا مہجوری کے انداز میں جواب دیا کہ وہ ڈری تو تھی مگر ایلا کا حال اس سے بھی پتلا تھا۔ لیکن ایلا فوراً بول اٹھی "جی نہیں۔ وہ بالکل نہیں ڈری تھی۔"

"چلو نہ سہی" لاائیس بولی۔ "لیکن بار بار پیاس کے مارے تو تمھارا ہی منہ خشک ہو رہا تھا۔"

وہ اس طریقہ پر آہستہ آہستہ بولتی رہیں۔ آخرکار ا نے کہا "چارلس! یہ بچے تمہارا گانا سنے بغیر نہ سوئیں گے۔ یہ سنتے ہی پا نے وائلین اٹھا لیا۔
کمرہ میں خاموشی تھی۔ وہ گرم تھا۔ آگ کی روشنی تمام کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ ما۔ چچا پیٹر اور چچی ایلیزا کے بڑے بڑے سائے آگ کی روشنی میں دیوار پر جھک رہے تھے۔ پا وائلین بجانے میں مشغول تھے۔
انھوں نے کئی سر نکالے۔ منی مسک (MONEY MUSK) ریڈ ہیفر (RED HEIFER) ڈیول ڈریمز (DEVIL DREAMS) اور آرکنسز ٹریولر (ARKENSES TRAVELER) گائے گئے۔ لورا سنتے سنتے ہی سو گئی۔ پا اور ان کا وائلین مدھم آواز میں ہم آہنگ تھے۔
گانا۔

سیری پیاری نیلی گرسے!
کہاں گئی ہو تم پرے؟
کہاں ہوئی ہو تم اوجھل؟
کہاں گئی ہو تم پرے؟

صبح کو سب تقریباً ایک ہی ساتھ اٹھے۔ انھوں نے اپنے موزے دیکھے تو ان میں کوئی نہ کوئی تحفہ موجود تھا۔ سانتا کلاز وہاں آئے تھے! الائس۔ ایلا اور لا ورا سرخ فلالین کے فراک اور کوٹ پہنے ہوئی تھیں۔ یہ رات کا لباس تھا۔ پیٹر سرخ رنگ کی فلالین کی قمیص پہنے ہوئے تھے۔ وہ سب رات کے کپڑوں میں ہی دوڑ پڑے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ سانتا کلاز رات میں ان کے لئے کیا لائے ہیں۔
ہر ایک کے موزوں میں ایک ایک جوڑی چمکدار سرخ دستانوں کی تھی۔ اس کے علاوہ ایک ایک بڑی بڑی سرخ اور سفید لہریئے دار پیپرمنٹ کی مٹھائی تھی جو دونوں طرف سے بڑی خوبصورتی کے ساتھ موڑی ہوئی تھی۔
وہ خوشی کے مارے پھولے نہ سمائے۔ بات تک منہ سے نہ نکلتی تھی۔ وہ اپنی چمکیلی آنکھوں سے کرسمس کے تحفوں کو دیکھتے ہی رہے۔ لیکن لاورا کی خوشی کی کوئی انتہا

تھی اسے انتہائی خوبصورت کپڑے کی ایک گڑیا بھی تحفہ میں ملی تھی۔ اس کا چہرہ سفید کپڑے سے بنا تھا اور آنکھیں کالے بٹنوں سے بنائی گئی تھیں۔ کالی پنسل سے اس کی بھویں بنائی گئی تھیں۔ اس کے گال اور ہونٹ سرخ رنگ اور گوندنی کے شیرہ سے لال کر دیے گئے تھے۔ سر کے بال کالے دھاگے سے بنے تھے۔ انھیں گوندھا گیا تھا اور ان میں گرہ لگا کر گھنگھریالے بنا دیا گیا تھا۔

اس کی جرابیں سرخ فلالین کی تھیں جوتوں کے لئے کالے کپڑے کے ننھے ننھے تسمے تھے۔ اس کی پوشاک پیازی اور نیلے رنگ کی چھینٹ سے بنی تھی۔

وہ اتنی خوبصورت تھی کہ لاورا تو دیکھتے ہی ششدر رہ گئی۔ وہ سب چیزوں سے بے پروا ہو کر اسی میں مست تھی۔ وہ اس قدر گم تھی کہ اسے کسی کے دیکھنے کا بھی دھیان نہیں رہا تھا۔ آخر جی الیزا بولی۔

"کیا تم نے کبھی اتنی بڑی آنکھیں دیکھی ہیں!"

لاورا کو تحفے میں کئی چیزیں ملی تھیں۔ اس کو دستانے ملے تھے۔ مٹھائی اور گڑیا ملی تھی۔ دوسری بچیوں نے اس بات کا کوئی برا نہیں منایا۔ وہ یہ بات سمجھتی تھیں کہ لاورا ان سب سے چھوٹی ہے۔ وہ صرف ننھی کیری اور جی الیزا کے ننھے بچے ڈولی وارڈن سے بڑی تھی۔ یہ دونوں بچے گڑیوں کے قابل نہ تھے۔ وہ اتنے چھوٹے تھے کہ انھیں سانتا کلاز کا کچھ پتہ نہ تھا۔ وہ تو بس عجیب عجیب چیزیں دیکھ کر انگلیاں منہ میں دے لیتے اور چوستے رہتے۔

لاورا گڑیا لیکر پلنگ کی پٹی پر بیٹھ گئی۔ اسے اگرچہ سرخ دستانے اور مٹھائی بھی پسند تھی لیکن گڑیا تو اس کی جان تھی۔ اس نے اس کا نام شارلوٹے رکھ لیا تھا۔

تب سب نے ایک دوسرے کے دستانوں کی طرف دیکھ کر اپنوں سے مقابلہ کیا پیٹر اپنی مٹھائی میں سے بڑے بڑے ٹکڑے توڑ توڑ کر کھا رہا تھا مگر الائیس۔ ایلا۔ میری۔ اور لاورا تھوڑی تھوڑی کھا رہے تھے تاکہ وہ زیادہ دیر تک چل سکے۔

"ارے دیکھنا!" چچا پیٹر بولے۔ "تمھارا تو کوئی موزہ بھی ایسا نہیں جیسا میرا صرف

ایک چھڑی رکھی ہو۔ تم سب اتنے ہی اچھے ہو گیا؟"

لیکن انھیں یقین نہ تھا کہ سانتا کلاز انھیں صرف چھڑی ہی دیتے۔ شاید انھوں نے کچھ اور بچّوں کو دی ہو لیکن ان کے لئے ایسی بات نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ تو کسی سے ہو ہی نہیں سکتا کہ سال کے تمام دنوں میں کسی لمحہ بھی کسی سے کوئی غلطی نہ ہو۔

چچی الیزا بولیں۔ "پیٹر آپ کو اس طرح بچّوں کو تنگ نہیں کرنا چاہیئے!"

ماں نے کہا "لاورا کیا تم دوسری بہنوں کو اپنی گڑیا سے کھیلنے نہیں دوگی"؟ ان کا مقصد تھا کہ چھوٹی بچیوں کو اس قدر خود غرض نہیں ہونا چاہیئے۔

یہ سنتے ہی لاورا نے اپنی خوبصورت گڑیا میری کو پکڑا دی۔ پھر الائیس اور ایلا نے اسے ایک ایک منٹ کے لئے سنبھال لیا۔ انھوں نے اس کے پیڑ دل کو تھپک لگا کر کہا۔ اس کے سرخ فلالین کے موزوں اور جوتوں کی تعریف کی۔ اس کے لچھے دار ونی بالوں کو سراہا لیکن لاورا اس وقت تک مطمئن نہ ہو سکی۔ جب تک کہ شارلوٹ پھر اس کے ہاتھوں میں واپس نہ آ گئی۔

پا اور چچا پیٹر کے پاس گرم دستانوں کی ایک ایک جوڑی تھی۔ یہ چھوٹے چوخانوں کی شکل میں سرخ اور سفید اون سے تیار کی گئی تھیں۔

ما کے لئے چچی الیزا ایک بڑا سرخ سیب لائی تھیں۔ اس میں کئی لونگیں گڑی تھیں اس کی خوشبو کتنی عمدہ تھی۔ اس میں لونگیں اس وجہ سے گڑائی گئی تھیں کہ یہ گل سڑ نہ سکے اور اس کی مٹھاس بھی باقی رہے۔

چچی الیزا نے سینے پرونے کی ایک کتاب بنائی تھی اس کا غلاف ریشمی تھا اور ورق فلالین کے تا کہ ان میں سوئیاں لگائی جا سکیں اور اس طرح وہ زنگ سے محفوظ رہ سکیں۔

ما کی دیوارگیری کو سب نے پسند کیا۔ چچی الیزا نے کہا کہ چچا پیٹر نے بھی اس کے لئے ایک دیوارگیری بنائی تھی۔ لیکن اس کے نقش و نگار اس سے بالکل جدا تھے۔

سانتاکلاز نے انھیں کوئی تحفہ نہیں دیا تھا۔ وہ بڑے ہو جانے پر کوئی چیز تحفہ میں نہیں دیتے اس لئے نہیں کہ وہ اچھے نہیں ہوتے بلکہ اس لئے کہ [illegible] بڑے ہو جاتے ہیں۔ بڑے آدمی ایک دوسرے کو تحفے دیتے ہیں۔

اب یہ تمام تحفے تھوڑی دیر کے لئے ایک طرف رکھ دیئے گئے۔ پا اور چچا پیٹر کی ہمراہ پیٹر جنگل کی صفائی کے لئے چلا گیا۔ الائیس اور ایلا، چچی الیزا کے ساتھ بستر درست کرنے میں لگی رہیں لاورا اور میری نے میزیں ٹھیک ٹھاک کیں اور ما نے ناشتہ تیار کیا۔

ما نے ناشتہ کے لئے چلے تیار کئے۔ ہر ایک بچے کے لئے چلے کا ایک مصنوعی آدمی بنایا تھا۔ [illegible] ہر ایک کو آواز دے کر باری باری سے پلیٹ منگواتی تھیں۔ ہر ایک اپنی باری کا انتظار کرتا۔ ما ایک چمچہ بھر سالن مصنوعی آدمی کے ہاتھوں، ٹانگوں اور سر کے اوپر ڈالدیتی اور گرم توے پر بڑے احتیاط اور پھرتی سے الٹ پلٹ کرتی۔ یہ چھن چھن کرتا بڑا اچھا معلوم ہوتا۔ تھوڑی دیر تک نیچے اوپر کرنے کے بعد وہ گرم گرم پلیٹ میں انڈیل دیتی۔

پیٹر نے چلے بھرے مصنوعی آدمی کا سر سب سے پہلے کھایا۔ لیکن الائیس۔ ایلا میری اور لاورا نے اس کو تھوڑا تھوڑا کرکے کھایا۔ پہلے انھوں نے اسکی بازوا اور ٹانگیں اڑائیں پھر درمیان کا حصہ اور آخر میں سر۔

آج سردی کی انتہا تھی۔ باہر جاکر کھیلنے کی کسی میں ہمت نہ تھی۔ نئے دستانوں کا شوق اور کھانے کے لئے مٹھائی ہی کافی تھی۔ وہ سب فرش پر اکٹھے بیٹھ گئے انجیل مقدس اور پا کی بڑی سبز کتاب میں بنی ہوئی تصویریں دیکھتے رہے۔ لیکن لاورا نے اپنی شارلیٹ گڑیا کو ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے سے جدا نہیں کیا۔

اب بڑی دعوت کا وقت آگیا۔ الائیس۔ ایلا۔ پیٹر۔ میری اور لاورا خاموشی سے کھانے کی میز پر بیٹھے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ انھیں بولنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ان کا خیال تو خود ہی رکھا جاتا ہے۔ ما اور چچی الیزا نے ان کی پلیٹیں خوب بھر دی تھیں اور پیٹ بھر کر اچھی چیزیں کھانے کی اجازت تھی۔

چچی الیزا نے کہا۔ "کرسمس کا تہوار سال میں ایک ہی دفعہ آتا ہے۔"

کھانا کچھ پہلے ہی کھا لیا گیا۔ چونکہ چچی الیزا، چچا پیٹر اور سب بھتیجوں نے واپس ہونا تھا۔ راستہ بھی طویل تھا۔

چچا پیٹر نے کہا۔ "گھوڑے کتنے بھی تیز رفتار ہوں، اندھیرا ہونے سے پیشتر انکا گھر پہنچنا دشوار ہے۔"

کھانے سے فارغ ہوتے ہی انھوں نے جلدی کی۔ چچا پیٹر اور بابے پیپے کی گاڑی میں گھوڑے جوڑنے چلے گئے۔ چچی الیزا اور ما نے بچوں کو کپڑے اڑھائے۔ اونی جرابوں اور بوٹوں کے اوپر اور بھاری اونی موزے چڑھا دیئے گئے۔ انھوں نے دستانے، کوٹ اور پھندنے والی ٹوپیاں پہنیں۔ شال اوڑھی اور مفلر گردن کے ارد گرد لپیٹ لیا۔ منہ پر موٹے اون کا نقاب ڈالا۔ ما نے ان کی جیبوں میں گرما گرم ابلے ہوئے آلو ڈال دیئے تاکہ انکی انگلیاں گرم رہ سکیں۔ چچی الیزا کے پاؤں کے نیچے بچھی ہوئی فرش انگیٹھی سے گرم کر دی گئی تھی۔ تاکہ اس کی وجہ سے گاڑی میں ان کے پاؤں گرم رہ سکیں۔ کمبل، لحاف اور بھینسوں کی کھالیں بھی گرم کر لی گئی تھیں۔

اس طرح یہ سب گاڑی میں سوار ہو گئے۔ گاڑی گرم اور آرام دہ تھی۔ سب سے آخر میں پا نے سب کے اوپر ایک اور لحاف اُڑھا دیا۔

انھوں نے خدا حافظ خدا حافظ کہا اور چل پڑے۔ گھوڑے اپنی شاندار چال سے دوڑ رہے تھے اور بے پیپے کی گاڑی کی گھنٹی بج رہی تھی۔

رفتہ رفتہ گھنٹیوں کی خوش آیند آوازیں مدھم ہو گئیں۔ کرسمس بھی تمام ہوا لیکن حقیقت میں اس دفعہ کرسمس بہت ہی خوب رہا۔

پانچواں باب

اتوار کا دن

سردی روز بروز بڑھ رہی تھی۔ لاورا اور میری تمام دن گھر میں بند رہتیں۔ وہ اکتا گئیں تھیں۔ اتوار کا دن تو ان کے لئے مصیبت بن جاتا۔ ختم ہونے میں ہی نہ آتا۔

ہر اتوار کو لاورا اور میری پوستین کے بہترین لباس پہنتی تھیں۔ ان کے بالوں میں خوبصورت ربن لگے ہوتے۔ وہ بہت صاف اور اجلی ہوتیں چونکہ ایک دن پیشتر شام کو وہ اچھی طرح غسل لیتی تھی۔

گرمیوں میں تو وہ چشمے کے پانی ہی سے نہا لیتیں لیکن سردیوں میں پا صاف برف سے ناند بھر دیتے تھے جس کو چولہے پر پگھلا کر پانی بنایا جاتا۔ چولہے کے نزدیک دو کرسیوں کو برابر برابر رکھ کر کمبل ڈالکر پردہ کر دیا جاتا۔ پہلے ما لاورا کو اور پھر میری کو نہلاتی۔

لاورا چونکہ چھوٹی تھی۔ اس لئے نہانے کے لئے اس کا نمبر پہلے آتا۔ وہ ہفتہ کی رات کو نہاتے ہی اپنا رات کا لباس پہنکر بستر پر سونے کے لئے جلدی ہی چلی جاتی شارلوٹ اس کے ساتھ ہوتی۔ پا ناند کو خالی کرکے صاف کرتے اور میری کے نہانے کے لئے پھر برف سے بھر دیتے۔ جب میری فارغ ہو کر بستر میں چلی جاتی تو ما ٹپ کی اوٹ میں نہاتی۔ پھر پا کی باری تھی۔ اس طرح وہ سب نہا دھو کر اتوار کے لئے پاک صاف ہو جاتے۔

اتوار کے دن لاورا اور میری اچھل کود نہ سکتی تھیں۔ نہ ہی کھیل کود میں شور مچانے کی اجازت تھی۔ چھوٹے چھوٹے ٹکڑے سی کر میری ایک لحاف تیار کر رہی تھی لیکن اتوار کے دن اس میں سوئی تک نہیں لگا سکتی تھی۔ لاورا ننھی کیری کے دستانہ بھی نہ بن سکتی تھی۔ وہ اپنے کاغذوں والی گڑیاں دیکھ تو سکتی تھیں مگر کوئی نئی چیز نہیں بنا سکتی تھیں۔ گڑیوں کے کپڑے سینے بھی منع تھے۔ ان کپڑوں میں پن تک لگانے کی ممانعت تھی۔

پا انھیں انجیل مقدس اور اپنی بڑی سبز کتاب" جانوروں کی عجیب دنیا" میں لکھی ہوئی کہانیاں پڑھ کر سناتے۔ سبز کتاب میں شیروں۔ چیتوں اور سفید بھیڑیوں کے متعلق کہانیاں ہوتیں وہ بڑے مزے سے کہانیاں سنتیں۔ وہ تصویریں دیکھ سکتی تھیں۔ وہ کپڑے کی بنی ہوئی گڑیوں سے بھی کھیل سکتی تھیں اور ان سے باتیں کر کے دل بہلا سکتیں تھیں مگر اور کسی کام کی اجازت نہ تھی۔

لاورا کو انجیل مقدس کی بڑی کتاب میں بنی ہوئی تصویریں بہت پسند تھیں۔ اُن کے اوپر سفید باریک کاغذ کا پردہ ہوتا تھا۔ ایک تصویر حضرت آدم علیہ السلام کی تھی جس میں وہ جانوروں کو خطاب کرتے ہیں۔ لاورا کو یہ تصویر سب سے اچھی معلوم ہوئی اس تصویر میں حضرت آدم ایک چٹان پر بیٹھے ہیں۔ اردگرد جانور جمع ہیں۔ اور اس انتظار میں ہیں کہ انھیں بتلایا جائے کہ وہ کس قسم کے جانور ہیں۔ حضرت آدم بڑے اطمینان سے بیٹھے ہیں۔ انھیں کپڑوں کو احتیاط سے رکھنے کی کوئی پریشانی نہیں ہے چونکہ ان کے بدن پر کوئی کپڑا نہیں۔ وہ بدن کے درمیانی حصّہ پر کھال پہنے ہوئے ہیں۔

لاورا نے ماسے دریافت کیا "کیا حضرت آدم اتوار کے دن اچھے اچھے کپڑے پہنتے تھے"

"نہیں" ما نے جواب دیا۔ "ان بیچاروں کے پاس کھالوں کے اسوا اور کچھ نہ تھا۔"

لاورا کو اس پر کوئی افسوس نہ تھا۔ وہ بھی یہی چاہتی تھی کہ کھالوں کے اسوا وہ کچھ نہ پہنتے۔

اتوار کو کھانے کے بعد اس کی حالت اور بھی قابل رحم ہوتی۔ وہ فوراً جیک سے کھیلنے لگتی۔ چند ہی لمحوں میں کودنے پھاندنے کا شور شروع ہو جاتا۔ اس پر پا اسے خاموشی کے ساتھ کرسی پر بیٹھنے کی ہدایت کرتے۔ وہ بیٹھ تو جاتی مگر ایڑیاں کرسی سے رگڑ رگڑ کر منہ بسورتی رہتی۔

آخرکار اس سے تنگ آگئی۔ اس نے کہہ ہی دیا۔ "مجھے اتوار بالکل نہیں بھاتا۔"

پاپا یہ سن کر آگ بگولا ہو گئے۔ انھوں نے کتاب بند کی اور گرجتی ہوئی آواز میں بولے

"لاورا! چلو یہاں آؤ۔"

جب وہ جا رہی تھی تو اس کے پاؤں کانپ رہے تھے۔ وہ سمجھتی تھی کہ اب سزا ملے گی۔ وہ ان کے پاس پہنچی تو ایک لمحہ تو انھوں نے غصہ بھری نظروں سے دیکھا پھر گھٹنوں پر بٹھا کر چھاتی سے لگا لیا۔ انھوں نے دوسرا بازو میتری کی طرف کرتے ہوئے کہا "میں تمھیں گرانڈ پا کے بچپنے کی کہانی سناتا ہوں۔"

برف گاڑی اور سور کی کہانی

"لاورا! جب تمھارے گرانڈ پا ابھی بچے ہی تھے۔ تو اتوار کا دن اتوار کی صبح سے شروع نہیں ہوتا تھا بلکہ ہفتہ کے دن سورج غروب ہوتے ہی شروع ہو جاتا تھا۔ اسی وقت سبھی کام بند کر دیے جاتے کوئی کھیل بھی نہیں سکتا تھا۔ رات کا کھانا رسمی ہوتا۔ کھانے کے بعد گرانڈ پا کے پا انجیل مقدس کے باب پڑھتے۔ دوسرے لوگ اپنی کرسیوں پر سیدھے بیٹھے ہوئے ہمہ تن گوش ہو کر سنتے تھے۔ پھر وہ سجدے میں جاتے۔ ان کے پا ایک لمبی دعا مانگتے۔ جب وہ آمین کہتے تو دوسرے آدمی اپنے گھٹنوں کے بل کھڑے ہو جاتے۔ اس وقت ہر ایک آدمی کے ہاتھ میں شمع ہوتی پھر وہ سیدھے اپنے بستروں پر چلے جاتے، نہ وہ کھیل سکتے۔ نہ ہنس سکتے اور نہ ہی بول سکتے تھے۔

اتوار کی صبح وہ باسی ناشتہ کھاتے۔ اس روز تو کچھ پک ہی نہ سکتا تھا۔ تب وہ اپنے بہترین کپڑے پہن کر گرجا جاتے۔ وہ پیدل ہی جاتے جو نیچہ گھوڑوں کو گاڑی میں جوتنا بھی کام ہی تصور کیا جاتا۔ اور اتوار کے دن کوئی بھی کام کرنے کی اجازت نہ تھی۔

"وہ بڑی سادگی اور آہستگی سے چلتے۔ ان کی نظریں ہمیشہ سامنے کی طرف ہوتیں ہنسنا یا مذاق کرنا منع تھا۔ یہاں تک کہ مسکرا بھی نہ سکتے تھے۔ گرانڈ پا اور ان کے دو بھائی آگے آگے چلتے تھے۔ ان کے پا اور ما دونوں پیچھے ہوتے۔

"گرجا میں گرانڈ پا اور ان کے دونوں بھائی دو گھنٹے تک بالکل خاموش ہو کر نصیحتیں سنتے۔ منبر کے سخت تختوں پر بیٹھے ہوئے ذرا شور نہ کر سکتے۔ ان کی ہمت نہ

تھی کہ وہ اپنے پاؤں ہی ہلا سکیں۔ یہ بھی جرأت نہ تھی کہ ایک نظر اٹھا کر کھڑکیوں، دیواروں یا گرجا گھر کی چھتوں کو ہی دیکھ سکیں۔ انھیں بالکل خاموش بیٹھنے کی ہدایت تھی۔ وہ ایک لمحہ کے لئے بھی خطیب سے نظریں نہیں ہٹا سکتے تھے۔

"گرجا سے فارغ ہو کر یہ آہستہ چال سے واپس گھر لوٹتے۔ واپسی پر وہ گفتگو تو کر سکتے تھے مگر بہت دھیمی آواز میں۔ ہنسنا اور مسکرانا بالکل منع تھا۔ گھر پہنچ کر ایک روز پہلے کا پکا ہوا کھانا کھایا جاتا۔ عصر کے بعد ایک قطار ہو کر بنچ پر بیٹھ جاتے اور کافی دیر تک مذہبی کتاب کا "ذکر اذکار" رہتا۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہو جاتا اور اس کے ساتھ ساتھ اتوار بھی ختم ہو جاتا۔"

"اس زمانہ میں گرانڈما کا مکان ڈھلوان پہاڑی کے اتار پر وسط میں واقع تھا۔ پہاڑ کی چوٹی سے ایک سڑک سیدھی گھر کے سامنے سے گذر کر نیچے چلی جاتی تھی۔ سردی کے زمانہ میں برف پر نیچے پھسلنے کے لئے اس سے بہتر جگہ نہ تھی۔

"پورے ہفتہ گرانڈپا اور ان کے دونوں بھائی جیمز اور جارج ایک برف گاڑی بنانے میں مشغول رہے۔ جب بھی انھیں فرصت کا موقع ملتا وہ اسی کی تیاری پر صرف کرتے۔ اس طرح انھوں نے ایک بہترین برف گاڑی تیار کر لی تھی۔ وہ کافی بڑی تھی اور دونوں بھائی اس میں آسانی کے ساتھ ایک دوسرے کے آگے پیچھے بیٹھ سکتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ وقت پر تیار ہو جائے گی تاکہ ہفتہ کے دن دوپہر بعد یہ لوگ اس میں بیٹھ کر برف پر پھسل سکیں۔ ہفتہ کے روز دوپہر کے بعد انھیں دو تین گھنٹے کھیل کے لئے مل جاتے تھے۔ لیکن ہوا یہ کہ ان کے پاپا اس تمام ہفتہ جنگل کے درخت کاٹنے میں مشغول رہے۔ وہ خود تو محنت سے کام کرتے ہی رہتے مگر بچوں کو بھی اپنے ہمراہ لے جاتے۔ پو پھٹنے سے پیشتر لالٹین کی روشنی میں جنگل کی صفائی کی جاتی۔ سورج نکلنے پر مشقت کا کام شروع ہو جاتا۔ شام تک یہی سلسلہ جاری رہتا۔ اس کے بعد پھر صفائی کرنی پڑتی۔ وہ رات کا کھانا کھاتے ہی بستر پر چلے جاتے تاکہ صبح ہی معمول کے مطابق اٹھا جا سکے۔

برف گاڑی کا کام ابھی باقی تھا۔ اسے مکمل کرنے کے لئے ہفتہ کی دوپہر تک انھیں کوئی وقت نہ مل سکا۔ فرصت ملتے ہی وہ اس کی تیاری میں جُٹ گئے۔ مگر جان توڑ کوشش کے باوجود بھی وہ شام سے پیشتر اسے پورا نہ کر سکے۔ اس وقت سورج غروب ہو چلا تھا اور ہفتہ کی رات شروع ہو گئی تھی۔

رات ہونے کے بعد تو ایک دفعہ بھی سے نیچے برف پر پھسلنے کی گنجائش نہ رہی تھی۔ اگر وہ ایسا کرتے تو "آرام اور عبادت کے دن" کی خلاف ورزی کرتے۔ انھوں نے برف گاڑی کو گھر کے برآمدہ میں رکھ چھوڑا اور اتوار گزرنے کا انتظار کرنے لگے۔

اگلے دن اتوار تھا۔ وہ گرجا میں جا کر آنکھیں لگائے بیٹھے رہے۔ ان کی نظریں ویسے تو خطیب پر جمی تھیں مگر دھیان برف گاڑی کی طرف تھا۔ وہاں سے گھر لوٹے تب بھی وہ یہی برف گاڑی کی بابت سوچتے رہے۔ کھانے سے فارغ ہو کر ان کے پا انجیل مقدس پڑھنے بیٹھ گئے۔ گرانڈ پا جیمز اور جارج تینوں بینچ پر چوہے کی طرح خاموشی سے دبکے بیٹھے تھے۔ "ذکر واذکار" کی کتاب ان کے ہاتھوں میں تھی۔ لیکن ان کے دماغوں پر برف گاڑی سوار تھی۔

سورج چمک رہا تھا۔ سڑک پر پڑی برف نہایت چکنی اور ہموار تھی۔ انھوں نے کھڑکیوں سے اس کا جائزہ لگا لیا تھا۔ برف پر پھسلنے کا یہ بہترین دن تھا۔ مذہبی کتاب "ذکر واذکار" پر وہ بار بار نظر ڈالتے تھے۔ فوراً انھیں برف گاڑی کا خیال ستاتا۔ انھیں یوں محسوس ہو رہا تھا کہ گویا اتوار کبھی ختم ہی نہ ہوگا۔

اسی سوچ میں کافی دیر ہو گئی۔ آخر کار انھوں نے خراٹوں کی آواز سنی۔ انھوں نے پا کی طرف نظر اٹھائی تو دیکھا کہ ان کا سر کرسی کی پیٹھ سے لگا ہے اور وہ گہری نیند میں ہیں۔

جیمز نے جارج کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ وہ آہستگی سے ایڑی اٹھا کر کمرے کے پچھلے دروازہ سے باہر نکل گیا۔ جارج نے ایک بار پھر گرانڈ پا کی طرف دیکھا۔ وہ بھی اسی طریقہ پر باہر کھسک گیا۔ گرانڈ پا سوئے ہوئے تھے۔ انھوں نے اپنے پا

پر نظر ڈالی اور جارج کے پیچھے دبے پاؤں ہو لئے۔ ان کے پا خراٹے ہی لیتے رہے۔

انھوں نے اپنی برف گاڑی اٹھائی اور بڑی خاموشی سے پہاڑ کی چوٹی پر گئے۔ ان کا خیال تھا کہ بس ایک دفعہ پھسل کر آ جائیں گے اور پھر برف گاڑی کو اس کی جگہ رکھ کر مذہبی کتاب لیکر بنچ پر آ بیٹھیں گے۔ یہ سب کچھ وہ اپنے پا کے جاگنے سے پہلے پہلے کرنا چاہتے تھے۔

جیمس برف گاڑی پر سب سے آگے تھا۔ پھر جارج تھا۔ گرانڈ پا چونکہ سب سے چھوٹے تھے اس لئے وہ سب سے پیچھے بیٹھے۔ برف گاڑی چل پڑی۔ پہلے آہستہ آہستہ پھر اس کی رفتار تیز سے تیز تر ہو گئی۔ یہ دوڑ رہی تھی۔ نیچے کی طرف اڑ رہی تھی لیکن بچوں کی ہمت نہ تھی کہ ذرا بھی آواز نکالیں۔ انھیں خاموشی کے ساتھ گھر کے سامنے سے گذرنا تھا۔ انھیں خوف تھا کہ کہیں ان کے پا جاگ نہ جائیں۔

وہاں برف پر لکڑی کے چلنے کی آواز اور ہوا کی سرسراہٹ کے سوا اور کوئی شور نہ تھا۔

برف گاڑی مکان کے سامنے سے گذرنے والی تھی کہ ایک بڑا کالا سور سامنے کے جنگل سے نکل کر باہر سڑک کے درمیان آ کر کھڑا ہو گیا۔

برف گاڑی اتنی تیزی سے جا رہی تھی کہ اس کا روکنا مشکل تھا۔ نہ اتنا وقفہ مل سکا کہ اس کو دوسری طرف موڑا جا سکے۔ ذرا سی دیر میں وہ سور کے نیچے آ گئی۔ سور اس کے اوپر سوار تھا۔

وہ چیختے ہوئے جیمس پر چڑھ گیا۔ اور زور زور سے "کوں کوں" کرنے لگا۔ وہ تیزی کے ساتھ مکان کے سامنے سے گذر گئے۔ سب سے آگے سور تھا۔ پھر جیمس اس کے بعد جارج اور سب سے پیچھے گرانڈ پا تھے۔ انھوں نے اپنے پا کو دروازہ پر کھڑا دیکھا۔ وہ انھیں دیکھ رہے تھے۔ برف گاڑی ان کے قابو میں نہ تھی۔ نہ ہی وہ اس کو ٹھہرا سکتے تھے اور نہ اپنے آپ کو چھپا سکتے تھے۔ کچھ کہنے سننے کا وقت نہ تھا۔ وہ ڈھلوان سے نیچے آ گئے مگر سور تمام راستہ جیمز پر سوار کوں کوں کرتا ہی رہا۔

گھاٹی کی ترائی میں پہنچنے کے بعد وہ ٹھہر گئے۔ مگو زمین کے اوپر سے کود کر چیختا ہوا بھاگا۔ لڑکے خاموشی اور آہستگی سے پہاڑی پر چڑھے۔ انھوں نے برف گاڑی کو ایک طرف رکھا۔ چپ چاپ گھر میں داخل ہوئے اور آہستگی سے اپنی اپنی جگہ بنچ پر آ بیٹھے۔ ماں کے پا بائبل مقدس پڑھ رہے تھے۔ انھوں نے ایک نگاہ ڈالی مگر کچھ نہ کہا۔

وہ پڑھنے میں مشغول رہے اور لڑکے مذہبی کتاب "ذکر و اذکار" کے مطالعہ میں لگے رہے۔

لیکن جب سورج ڈھلا اور مذہبی رسوم کا دن ختم ہوا تو پا انھیں لکڑی کے گودام میں لے گئے اور ان سب کی باری باری خوب مرمت ہوئی۔"

لاورا اور میری کو خطاب کرتے ہوئے پا نے کہا "تم دیکھتی ہو کہ نیک بننا کس قدر مشکل ہے لیکن تمہیں یہ جان کر خوش ہونا چاہیئے کہ نیک بننا اب اتنا مشکل نہیں جتنا کہ گرانڈپا کے بچپن میں تھا۔"

لاورا نے ما سے دریافت کیا "کیا لڑکیوں کے لئے بھی اسی قدر نیک بننا ضروری تھا؟"

ما نے جواب دیا "لڑکیوں کے لئے تو اور بھی مشکل تھا، چونکہ انھیں ہر وقت اپنے آپ کو ایک چھوٹی خاتون کی طرح سمجھنا ہوتا تھا۔ خواہ اتوار ہو یا نہ ہو چھوٹی لڑکیاں کبھی بھی ڈھلوان پر لڑکوں کی طرح نہیں کھیل سکتی تھیں۔ انھیں تو گھر میں بیٹھ کر کسی نہ کسی نمونہ کا کام سیکھنا ہوتا تھا۔"

"اچھا جاؤ اور اپنا بستر سنبھالو۔" پا نے یہ کہہ کر صندوق سے اپنا وائلن نکالا۔ لاورا اور میری اپنے کھٹولے پر لیٹ گئیں۔ انھوں نے حمد اور مناجاتیں سنیں۔ چونکہ ہفتہ کے دوسرے دنوں کی طرح اتوار کو اور کسی قسم کے گانے نہیں گائے جاتے۔

پہلے پا نے "صدیوں کی چٹان راستہ دے مجھکو" وائلن پر گایا اور پھر انھوں نے یہ گانا شروع کیا۔ گانا۔

بستر ایمن ہو یا تخت ہو پھولوں سے بھرا
آسماں پر میں نہ جاؤں گا یہ مانا لیکر!

"معرکۂ دہر میں ہے جستجو کون و مکاں"
میں یوں آمادہ پیکار ہے عنوان لیکر
لاورا نغمہ میں ڈوب گئی۔ اس نے برتنوں کے الٹ پلٹ کی آواز سنی۔ یہ ما تھی جو
انگیٹھی کے قریب بیٹھی ناشتہ تیار کرنے میں لگی تھی۔ پیر کی صبح آگئی اور اتوار ایک ہفتہ
تک غائب تھا۔

صبح جب پا ناشتہ کے لئے آئے تو انھوں نے لاورا کو پکڑ لیا۔ آج وہ ضرور اس کی
پیٹھ ٹھونکیں گے۔

پہلے تو اسے یہ بتلایا گیا کہ آج اس کی پیدائش کا دن ہے۔ سال بھر کی تندرستی کے
لئے یہ ضروری ہے کہ اس کی کمر ٹھوکی جائے۔ پھر انھوں نے اتنی آہستگی اور پیار سے اس کی
کمر تھپکی کہ چوٹ کا واہمہ بھی نہ ہو۔

"ایک۔ دو۔ تین۔ چار۔ پانچ۔ چھ"۔ وہ گنتے رہے۔ اور آہستہ آہستہ اس کی
کمر ٹھوکتے رہے۔ یہ ہر سال کے لئے ایک مکّا اور آخری سال کے لئے ایک زوردار تھپک
تاکہ وہ پروان چڑھے۔

پا نے لکڑی کا بنا ہوا ایک آدمی شارلیٹ کا ساتھی بنا کر لاورا کو دیا۔ یہ انھوں نے
لکڑی سے تراشا تھا۔ ما نے پانچ چھوٹے کیک تحفہ میں دئے۔ اس کے معنی تھے کہ لاورا
پانچ سال تک اپنے پا اور ما کے ساتھ رہی ہے۔ میری نے ایک نیا لباس شارلیٹ گڑیا
کے لئے تیار کیا۔ لاورا یہ خیال کرتی تھی کہ میری اپنے ٹکڑوں والے لحاف پر کام کرتی
ہے مگر حقیقت میں وہ شارلیٹ کے کپڑے تیار کرنے میں مشغول رہی۔

رات کے وقت لاورا کے جنم دن کی خوشی میں پا نے اس کے لئے "کیک کر جاپنیولا"
گایا۔

گاتے وقت لاورا اور میری اس کے گھٹنوں سے لگی بیٹھی تھیں۔ پا نے کہا "اب تم
دیکھو۔ ممکن ہے کہ نیولا نکل کر سامنے ہی آجائے۔ تب وہ گائے۔ گانا
پیسہ کی سوئی خریدی۔ پیسہ دھاگہ میں اٹھا

پیسہ ہی پیسہ اُٹھا جب۔ سارا سرمایہ اُٹھا

لاورا اور میری جھک کر غور سے دیکھ رہی تھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ پا کی انگلیاں "لیک" کہنے کے لئے تاروں پر جائیں گی اور وائلین "چلا نیولا" صاف صاف گائیگا۔ لیکن لاورا اور میری کی نظریں پا کی انگلیوں کو "لیک" بجاتے نہ دیکھ سکیں۔ انھوں نے پا سے درخواست کی "جناب ایک مرتبہ اور بجا دیجئے"۔ پا کی نیلی آنکھیں ہنس رہی تھیں اور وائلن بج رہا تھا، وہ گا رہے تھے۔

گانا:۔
پیار کرے موچی کو دا غا عشق کی ابھری آگ
موچی بیٹھا جوتا گا نٹھے نیولا دوڑے بھاگ
بندر اس کے پیچھے دوڑے سب دیکھیں یہ لاگ
میرا وائلین راگ بجائے راگ بجائے راگ!!

وہ پھر بھی پا کی انگلیاں تار چھوتے نہ دیکھ سکیں۔ وہ اتنی تیزی سے تاروں پر پڑ رہی تھیں کہ ان کا دیکھنا محال تھا۔

وہ ہنستی ہوئیں بستر پر دوڑ گئیں۔ پا گا رہے تھے اور وائلین اسی طرح بج رہا تھا۔

گانا
ایک تھا کالا بوڑھا حبشی نکل ننڈ تھا اس کا نام
سر کے بال اڑے تھے اس کے کچھ بہت تھا وہ بدنام
انگلیاں اسکی سوکھی لکڑی سی آنکھوں سے وہ تھا ناکام
دانت نہیں تھا ایک بھی اس کے بھوکا رہنا تھا انجام
ہل۔ پائنچے اور پائے گا بے کر نہ سکے کوئی اس کا کام
موت کا ایک دن آیا ایسا، کر گیا کام تمام

چھٹا باب

دو بڑے ریچھ

آخرکار پا ایک دن بولے کہ موسم بہار قریب آ رہا ہے۔ جنگل میں برف پگھلنی شروع ہو گئی تھی درختوں کی شاخوں سے اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے نیچے گر گر کر برف کے ملائم ڈھیر میں گڑھے ڈال رہے تھے۔

برف کے بڑے بڑے ٹکڑے گھر کے چھجوں سے لٹک رہے تھے جو دوپہر کی دھوپ اور گرمی میں جھلمل جھلمل کرتے چمک رہے تھے۔ ان کے کناروں پر پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔

پا نے کہا کہ اب انھیں سمور فروخت کرنے کے لئے شہر جانا چاہئے۔ یہ سمور وہ تمام سردیوں اکٹھے کرتے رہے تھے۔ ایک شام انھوں نے ان کا بنڈل باندھا۔ یہ بنڈل اگرچہ خوب کس کر باندھا گیا تھا مگر پھر بھی وہ پا کے قد جتنا بڑا بن گیا تھا۔

ایک روز صبح ہی پا نے اس بنڈل کو پیٹھ پر کسا اور شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔ سمور اتنے زیادہ اور وزنی تھے کہ پا بندوق ساتھ نہ لیجا سکے۔

بندوق کا ساتھ نہ ہونا ما کے لئے پریشانی کی بات تھی۔ لیکن پا نے یقین دلا دیا تھا کہ وہ صبح جلدی ہی روانہ ہو جائیں گے اور تیز چلیں گے تاکہ شام کو وقت سے گھر لوٹ آئیں۔

سب سے نزدیکی شہر بھی کافی دور تھا۔ لاورا اور میری نے آج تک کسی بھی شہر کو نہ دیکھا تھا نہ کبھی کوئی دوکان دیکھی تھی اور نہ دو مکانوں کو ساتھ ساتھ بنے دیکھا تھا لیکن انھیں یہ ضرور معلوم تھا کہ شہر میں بہت سے مکان ہوتے ہیں اور وہاں عجیب عجیب چیزوں مٹھائیوں اور کپڑے کی بہت سی دوکانیں ہوتی ہیں۔

وہ جانتی تھیں کہ پا اپنی سمور فروخت کر کے دوکاندار سے اچھی اچھی چیزیں خریدیں گے۔ وہ تمام دن تحفوں کا انتظار کرتی رہیں۔ جب درختوں کی چوٹیوں سے سورج نیچے ڈھلا اور لٹکتے ہوئے برف کے تودوں سے پانی کے قطرے گرنے بند ہو گئے تو

انتظار کی بے چینی اور بھی بڑھ گئی۔

سورج ڈوب کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ درخت کالے نظر آنے لگے۔ مگر پا نہ آئے
ما نے رات کا کھانا تیار کرنا شروع کر دیا تھا اور کھانے کی میز سجا دی تھی لیکن پا کا پتہ
نہ تھا۔ صفائی کا وقت بھی گزر گیا مگر پا نہ پہونچے۔

ما نے لاورا کو آواز دی کہ وہ اس کے ساتھ دودھ نکالنے کے لئے چلے تاکہ وہ لالٹین
پکڑے رہے۔

لاورا نے اپنا کوٹ پہنا۔ ما نے بٹن لگائے۔ اس نے گردن میں ڈورے کے ذریعہ
لٹکے ہوئے اپنے دستانے بھی پہن لئے۔ ما نے لالٹین میں موم بتی روشن کر دی۔

لاورا دودھ دوہنے کے لئے ما کی امداد کرنے پر بہت مسرور تھی۔ وہ لالٹین کو بڑے
قاعدہ کے ساتھ لیجا رہی تھی۔ لالٹین ٹین کی بنی تھی۔ روشنی باہر جانے کے لئے اس میں
چھوٹے چھوٹے سوراخ کاٹ دئیے گئے تھے۔

لاورا پیچھے پیچھے لالٹین لئے چل رہی تھی۔ کٹے ہوئے سوراخوں سے روشنی چھن کر
باہر آرہی تھی۔ ادھر ادھر برف پڑی تھی۔ رات کی سیاہی ابھی ہر طرف نہیں چھائی تھی
جنگل ضرور تاریک تھا۔ برفیلے راستہ پر دھندلکا تھا۔ آسمان پر چند تارے چمکنے لگے تھے۔
مگر ان میں اتنی روشنی اور چمک نہ تھی جتنی کہ لالٹین میں۔

باڑے کے دروازہ پر ایک کالے رنگ کی گائے دیکھ کر وہ اسے سوکے سمجھی۔
لاورا کو یہ تعجب ہوا کہ وہ باہر کھڑی ہے۔ وہ اسے بھوری گائے سمجھی۔ ما خود حیرت میں تھی
سوکے کو گھاس چرنے کے لئے اتنی جلدی جنگل میں کبھی بھی چھوڑا نہیں جاتا تھا۔
وہ اگرچہ باڑے میں بند رہتی تھی مگر گرمیوں کی موسم میں پا کبھی کبھی باڑے کا دروازہ کھول
دیا کرتے تھے تاکہ وہ صحن میں آسکے۔ اب ما اور لاورا نے اسے جنگلے کے پیچھے انتظار
کرتے پایا۔

ما دروازہ تک گئی اور باہر کی طرف دروازہ کھولنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ اسے
زیادہ نہیں کھول سکی چونکہ سوکے باہر کی طرف اس سے لگی کھڑی تھی۔ ما بولی۔

"سوکے ہٹو" اس نے دروازہ کے اوپر سے ہاتھ لیجا کر سوکے کو کندھے سے پرے دھکیلا۔

عین اس وقت لالٹین کی جھلملاتی روشنی کی ایک کرن دروازہ پر لگے جنگلے کے دو سوراخوں سے باہر نکل گئی۔ لاورا نے وہاں لمبے جھبرے سیاہ بال اور دو چھوٹی چمکتی آنکھیں دیکھیں۔

سوکے کے بال تو ایک چھوٹے اور سنہرے تھے اور اس کی آنکھیں بڑی اور معصوم تھیں۔

ما نے کہا "لاورا۔ فوراً گھر واپس لوٹو۔"

لاورا مڑی اور گھر کی طرف چل دی۔ ما اس کے پیچھے پیچھے تھی۔ جب تھوڑا راستہ خیریت سے گذر گیا تو ما نے اس کے ہاتھ سے لالٹین جھپٹ لی اور تب دونوں دوڑ پڑے سیدھے گھر میں آکر دم لیا۔ اور پھر سے دروازہ بند کر لیا۔

لاورا نے پوچھا "ما! کیا ریچھ تھا؟"

"ہاں لاورا" ما نے جواب دیا۔ "واقعی ریچھ تھا۔"

لاورا نے شور مچا دیا۔ وہ ما سے چمٹ گئی۔ سسکیاں لیتے ہوئے اس نے کہا "اوہ! کیا یہ سوکے کو کھا جائے گا؟"

"نہیں" ما نے چھاتی سے لگاتے ہوئے کہا۔ "سوکے باڑے میں محفوظ ہے۔ دیکھو لاورا! باڑے کے ارد گرد بھاری اور مضبوط لکڑی کا احاطہ ہے۔ دروازہ بھی کافی وزنی اور مضبوط ہے۔ یہ سب ریچھ سے حفاظت کے لئے کافی ہیں۔ ریچھ ہرگز اندر داخل نہیں ہوسکتا اور نہ ہی وہ سوکے کو کھا سکتا ہے۔"

لاورا نے تھوڑا سنبھل کر پوچھا "لیکن وہ ہمیں نقصان تو پہنچا سکتا تھا کیوں نہیں؟"

ما نے جواب دیا۔ "اس نے ہمیں کوئی ضرر نہیں پہنچایا۔ لاورا تم ایک اچھی لڑکی ہو۔ تم نے وہی کیا جو تمھیں بتلایا گیا۔ تم نے بغیر کسی پس و پیش کے میرا حکم مانا۔"

ما بھی سہم رہی تھی مگر پھر بھی تھوڑا مسکرا دیتی تھی۔ اس نے کہا "کتنے تعجب

کی بات ہے کہ میں نے ریچھ کے تھیلے تک لگا دیئے۔"

تب اس نے لاورا اور میری کے لئے رات کا کھانا چن دیا۔ پا اس وقت تک بھی نہیں لوٹے تھے۔ لاورا اور میری نے اپنے کپڑے بدلے۔ دعا مانگی اور لپٹ لپٹا کر کھٹولے پر آ رہیں۔

ما لیمپ کے پاس بیٹھ کر پا کی ایک قمیض درست کرنے لگیں۔ پا کے بغیر گھر بے رونق تھا۔ وہ عجیب سا معلوم دیتا تھا۔

جنگل میں ہوا کی آواز لاورا کے کانوں میں آ رہی تھی۔ مکان کے ہر طرف یوں معلوم دیتا تھا کہ ہوا اندھیرے اور سردی میں اپنا راستہ بھول گئی ہے اور وہ چلا کر شور مچا رہی ہے۔ یہ آواز بڑی ڈراؤنی معلوم دیتی تھی۔

ما نے قمیض ٹھیک کر لی تھی۔ لاورا نے دیکھا کہ ما اس کو احتیاط سے تہہ کر رہی ہے۔ اس نے اسے ہاتھوں سے ہموار کیا۔ تب ایک اور کام کیا جو اس سے پیشتر لاورا نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ وہ دروازہ پر گئی۔ کواڑ بند کرکے چٹخنی لگا دی۔ اس کے ساتھ لگا ہوا چمڑے کا قبضہ دروازہ کے سوراخ سے گذار کر مضبوطی سے باندھ دیا گیا تاکہ باہر سے کوئی اندر داخل نہ ہو سکے جب تک کہ ما چٹخنی خود ہی نہ کھولے۔ کیری گہری نیند میں علیحدہ ایک بڑے بستر پر سو رہی تھی۔ ما نے اس کو گود میں اٹھا لیا۔

اس نے دیکھا کہ لاورا اور میری ابھی جاگ رہی ہیں۔ چنانچہ اس نے کہا "بچیو سو جاؤ سب ٹھیک ہے۔ پا کو صبح ہی ملنا۔"

تب وہ آرام کرسی پر آہستگی سے جا بیٹھی۔ گود میں ننھی کیری تھی۔

وہ یونہی بیٹھی کافی دیر تک پا کا انتظار کرتی رہی۔ لاورا اور میری بھی جاگنا چاہتی تھیں۔ مگر نیند نے انھیں گھیر لیا اور وہ سو گئیں۔

صبح ہی پا وہاں موجود تھے۔ وہ میری اور لاورا کے لئے مٹھائی اور ان کے لباس کیلئے خوبصورت چھینٹ کے دو ٹکڑے لائے تھے۔ میری کی چھینٹ سفید زمین کی تھی جس پر نیلے پھول بنے تھے۔ لاورا کے لئے گہرے سرخ رنگ پر چھوٹے چھوٹے سنہرے نشان تھے۔

ماکی جیکٹ بھورے رنگ کی تھی اور اس پر سفید پروں والے پرندوں کی چھاپ تھی۔

وہ سب کی سب خوش تھیں۔ پاکی سمور اچھی قیمت پر فروخت ہوئی تھی۔ اور وہ اس کے بدلے میں اچھے اچھے تحفہ لا سکے تھے۔

باڑے کے چاروں طرف جابجا بڑے ریچھ کے نشانات موجود تھے۔ کہیں کہیں باڑے کی دیواروں پر بھی اس کے پنجوں کے نشان دیکھے جا سکتے تھے۔ لیکن خیریت یہ تھی کہ سوکی گائے اور گھوڑے باڑے کے اندر محفوظ تھے۔

تمام دن سورج چمکتا رہا۔ برف پگھلتی رہی۔ لٹکے ہوئے برف کے تودوں سے پانی رستا رہا۔ وہ بھی گل گل کر چھوٹے ہو گئے تھے۔ سورج ڈھلے تک لائم اور سوار برف پر پڑے ہوئے ریچھ کے پاؤں کے نشانات گن گئے تھے۔ رات کو کھانے سے فراغت پانے کے بعد پاپا نے ماما اور زیری کو اپنے گھٹنوں پر بٹھا لیا اور بولے کہ وہ آج ایک نیا قصہ سنائیں گے۔

ریچھ سے مٹھ بھیڑ کا قصہ

"کل جب میں سمور کا بنڈل لیکر شہر کے لئے روانہ ہوا تو نرم نرم برف پر چلنا دوبھر ہو گیا۔ کوشش کے باوجود بھی وقت پر شہر میں نہ پہنچ سکا۔ سمور بیچنے والے دوسری جگہوں سے وہاں پہلے ہی آ چکے تھے۔ دوکاندار ان کے ساتھ مشغول رہا۔ انھیں نمٹانے کے بعد اس نے میری طرف دھیان دیا۔ اسی انتظار میں کافی وقت لگا۔

"میں نے ایک ایک سمور دکھا کر قیمت طے کی۔ پھر اپنی ضرورت کے مطابق اس کے بدلے میں سامان خریدا۔ اس میں شام ہو گئی۔ میں گھر کے لئے چل پڑا۔

"میں نے تیزی تو بہت کی لیکن ایک تو ملائم برف پر چلنا مشکل تھا دوسرے تھکا ہوا تھا اس لئے دور نہیں چلا تھا کہ رات پڑ گئی۔ اس بڑے سنسان جنگل میں اکیلا تھا۔ بندوق بھی ساتھ نہ تھی۔

"ابھی چند میل اور چلنا تھا۔ میں اپنی پوری رفتار سے چل رہا تھا۔ رات تاریک سے

تاریک تر ہوتی جاتی تھی۔ بندوق کا دھ کر خیال آتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ کوئی نہ کوئی ریچھ اپنے کھوہ سے باہر ہوگا اور اس سے ضرور مڈھ بھیڑ ہوگی۔ صبح شہر جاتے وقت میں نے ان کے نشانات بھی دیکھے تھے۔

"سال کے اس موسم میں ریچھ بھوکے اور خونخوار ہوتے ہیں۔ تم جانتی ہو کہ انھیں تمام سردیوں بھوکے پیاسے اپنی کھوہ میں پڑے رہنا ہوتا ہے۔ جب وہاں سے نکلتے ہیں، دبلے اور خونخوار ہوتے ہیں۔ میں یہی چاہتا تھا کہ ان سے مڈھ بھیڑ نہ ہو۔

"رات تاریک ہوگئی تھی لیکن میں اپنی پوری رفتار سے چل رہا تھا۔ ستاروں کی روشنی رفتہ رفتہ تیز ہوگئی۔ درختوں کے جنگلے میں انتہائی اندھیرا تھا۔ ہاں کھلے میدانوں میں تھوڑا بہت دیکھا جا سکتا تھا۔ میرے ارد گرد کالے کالے درختوں کے غول تھے اس لئے برفیلی سڑک کا راستہ زائد دور تک نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔ جب میں درختوں کے جھنڈوں سے باہر نکلتا تو کھلے میدان میں مجھے اطمینان محسوس ہوتا۔ کم از کم ستاروں کی مدھم روشنی راستہ کا کچھ نہ کچھ پتہ تو دیتی تھی۔

"ہر لمحہ میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے ادھر اُدھر ریچھ پر نظر رکھتا۔ بار بار اس شور کا جائزہ لگاتا جو وہ جھاڑوں میں گذرتے وقت بے ہنگم طور پر پیدا کرتے ہیں۔

"تھوڑی دیر بعد جونہی ایک کھلے میدان میں آیا۔ بیچ سڑک پر ایک بڑے کالے ریچھ کو کھڑا پایا۔

"وہ اپنی پچھلی ٹانگوں پر کھڑا مجھے گھور رہا تھا۔ مجھے اس کی چمکدار آنکھیں بھی نظر پڑیں۔ اس کی سور جیسی تھوتھنی تھی۔ ستاروں کی روشنی میں اس کے ایک پنجے کی جھلک بھی دیکھی۔

"میرے حواس باختہ ہو گئے۔ ڈر کے مارے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میرے قدم رک گئے اور سکتے کے عالم میں ہکا بکا کھڑا ہو گیا۔ ریچھ بھی وہیں کھڑا رہا۔ وہ ہرگز نہ ہٹا بلکہ دیکھتا ہی رہا۔

"میں جانتا تھا کہ اس سے بچ کر نکل بھاگنے کی کوشش بیکار ہے۔ وہ یقیناً

درختوں کی تاریکی تک میرا پیچھا کرے گا۔ اس کی نگاہ بھی مجھ سے تیز ہے۔ میں ہرگز یہ نہ چاہتا تھا کہ سردی کے مارے ہوئے بھوکے اور خونخوار ریچھ کا اندھیرے میں مقابلہ کروں۔

"اس وقت میں رہ رہ کر بندوق کو یاد کرتا رہا۔

"بہرحال گھر کا یہی راستہ تھا جس پر کہ ریچھ کھڑا تھا۔ وہاں سے گذرنا تو تھا ہی "مجھے خیال آیا کہ اس کو ڈرا کر دیکھوں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ راستہ چھوڑ کر مجھے آگے جانے دے۔ میں نے ایک گہرا سانس لیا اور پوری طاقت سے گلا پھاڑ کر چلایا اور بازو ہلاتا اس کی طرف لپکا۔

"وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

"بس اب کیا بتلاؤں؟ میں اس کی طرف دوڑ کر نہیں گیا۔ تھوڑی ہی دور پر رک گیا۔ پھر اس کی طرف دیکھا۔ وہ ویسے ہی دیکھ رہا تھا۔ میں پھر چلایا تب بھی وہ نہ ہلا۔ پھر چلایا۔ بازوؤں کو زور سے ادھر ادھر گھمایا۔ مگر تو یہ سمجھئے اسے تو ذرا جنبش نہ ہوئی۔

"اب بھاگنا بیکار تھا۔ ایک سے جان بچا کر دوسرے ریچھ سے پالا پڑ سکتا تھا۔ جنگل میں ان کی کوئی کمی نہ تھی۔ ڈھارس باندھ کر خیال کیا کہ اب اس کا مقابلہ ہی کرنا چاہیے آخر کسی نہ کسی ریچھ کا مقابلہ کرنا ہی ہے پھر اسی کا کیوں نہیں۔ اس کے علاوہ مجھے تمہارے اور ماں کے پاس گھر پہونچنا تھا۔ میں نے سوچا کہ اگر جنگل میں اسی طرح ہر چیز سے ڈرتا رہا تو پھر گھر پہنچنا محال ہے۔

"ادھر ادھر دیکھا۔ فوراً ہی مجھے برف کے بوجھ سے ٹوٹی ہوئی درخت کی ایک بھاری اور مضبوط شاخ مل گئی جو میں لاٹھی کا کام دے سکتی تھی۔

"میں نے دونوں ہاتھوں سے اس کو اوپر اٹھالیا اور سیدھا تیزی سے ریچھ کی طرف دوڑا۔ پوری طاقت سے لاٹھی کو گھمایا اور دھم سے اس کے سر پر جمادی۔

"وہ اب بھی اپنی جگہ تھا۔ دراصل وہ ایک بڑے درخت کے جلے ہوئے تنے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ صبح جب میں اس طرف سے گذرا تھا تو اس کی ہیئت ریچھ جیسی

نہ تھی اس پر ریچھ کا گمان اس وقت ہوا جب میں ہر لمحہ ریچھ کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ واقعی اس ڈر نے ہو بہو ریچھ کی شکل بنا کر کھڑی کر دی۔"

میری نے دریافت کیا "واقعی! کیا یہ ریچھ تھا ہی نہیں؟"

"نہیں! ریچھ کہاں تھا؟ میں خود ڈرا ہوا تھا۔ اسے جنگل کا ریچھ سمجھ کر چلایا کودا اور بازو ہلائے تاکہ وہ بھاگ جائے لیکن جس چیز کو میں بھگا رہا تھا وہ تو درخت کا تنا تھا۔"

لاورا نے کہا "مگر ہماری تو حقیقت میں ریچھ سے مٹھ بھیڑ ہوئی لیکن ہم ڈرے نہیں چونکہ ہم نے اسے سوکی سمجھا۔"

پا خاموش رہے۔ لیکن انھوں نے اسے اپنی چھاتی سے چپٹا لیا۔

لاورا نے پا کے نزدیک ہوتے ہوئے کہا "اوہ وہ ریچھ تو مجھے اور ما دونوں کو کھا جاتا۔ ما تو سیدھی اس کے پاس تک چلی گئی۔ اس کو دھکیلا تھی۔ لیکن اس نے کچھ نہیں کہا۔ اس نے کچھ کیوں نہیں کیا؟"

پا نے جواب دیا "میرا خیال ہے کہ وہ سہم گیا اور کچھ نہ کر سکا۔ جب لالٹین کی روشنی اس کی آنکھوں پر پڑی ہوگی تو وہ یقیناً ڈر گیا ہوگا اور جب ما اس کے پاس گئی اور تھپڑ لگائے تو اس نے سمجھا ہوگا کہ وہ ڈرتی نہیں ہے۔"

"لیکن آپ بھی تو بہادر نکلے" لاورا بولی۔

"خواہ یہ درخت کا تنا ہی کیوں نہ تھا لیکن آپ نے تو اپنے خیال میں اسے ریچھ ہی سمجھ کر اس کے سر پر لاٹھی دے ماری تھی۔ اگر وہ واقعی ریچھ بھی ہوتا تو پھر کیا آپ ایسا نہ کرتے؟"

پا نے جواب دیا "بالکل ایسے ہی کرتا۔ تم یہ تو دیکھو کہ اس کے بغیر چارہ نہ تھا۔"

ما بیچ میں بول پڑی کہ اب دیر ہو گئی ہے اور سونے کا وقت قریب ہے۔ اس نے لاورا اور میری کے کپڑے بدل وا دئے۔ انھوں نے سرخ فلالین کا لباس پہنا۔ ما نے ان کے بٹن لگائے۔ وہ اپنے کھٹولے کے قریب ہی دعا مانگنے کے لئے جھک گئیں

دعا: نیند آئی ہے سو تو جاتا ہوں
تیرے دامن میں منہ چھپاتا ہوں
گو یہ سونا مرا ہے ابدی
تیری بخشش پہ مسکراتا ہوں

ما نے دونوں کو پیار کیا اور لحاف میں اچھی طرح لپیٹ دیا۔ وہ لیٹے ہوئے ما کی طرف دیکھتی رہیں۔ لیمپ کی روشنی میں ما کے چمکتے ہوئے بال اور سینے کے لئے حرکت کرتے ہوئے ہاتھ انہیں نظر آتے رہے۔ کبھی کبھی سوئی انگشتانہ سے ٹکرا کر معمولی سی آواز پیدا کر دیتی تھی۔ سمور کے عوض پا جو خوبصورت جیکٹ لائے تھے ما اسی کو سی رہی تھی۔ سوئی سڑاک سڑاک کرتی جاتی تھی۔

لاورا نے پا کی طرف دیکھا تو وہ اپنے جوتے چمکا رہے تھے۔ لیمپ کی روشنی میں ان کا سر اور داڑھی کے لمبے بال ریشمی معلوم ہو رہے تھے۔ ان کی چار خانی جیکٹ کا رنگ بھورا تھا۔ وہ کام کرتے جاتے تھے اور سیٹی بھی بجاتے جاتے تھے۔ پھر انہوں نے گانا شروع کر دیا۔

گانا: رکھ دیا میں نے لحد میں اس کو جب
عشق بے تاب تھا اور حسن بھولی تھی تب
اور پہاڑی سے جو جھانکا آفتاب
چہچہاتا تھا پرندوں کا عجب!

اس رات کچھ زیادہ سردی نہ تھی۔ انگیٹھی کے کوئلے جل اٹھے تھے۔
جنگل میں اس چھوٹے گھر کے چاروں طرف برف کے گرنے کی آہستہ آہستہ آواز آ رہی تھی۔ چھجوں سے برف کے ٹکڑے پگھل کر قطروں کی صورت میں نیچے آ رہی تھی۔
تھوڑے دنوں بعد درختوں پر کونپلیں نکل آئیں گی۔ جن کا رنگ گلابی، زرد اور ہلکا سبز ہو گیا۔ درختوں پر جنگلی پھول کھلیں گے اور ہر طرف پرندے چہچہاتے نظر آئیں گے۔

تب رات کو آگ تاپنے اور کہانیاں سننے کا سلسلہ بھی بند ہو جائے گا۔ لاورا اور میری تمام دن آس پاس درختوں میں کھیلتی پھریں گی۔ یہ بہار کا موسم ہوگا۔

سا تواں باب

برفیلی شکر

کئی دن سے سورج متواتر چمک رہا تھا۔ موسم میں گرمی آ چلی تھی۔ صبح کے وقت بھی کھڑکیوں پر پالے کا نشان نہ تھا۔ برف کے ننھے ننھے ٹکڑے پورے دن مکان کے چھجوں سے چٹاخ چٹاخ کر کے نیچے برف کے ڈھیر میں مل رہے تھے۔ درختوں نے اپنی بھیگی ہوئی کالی شاخوں سے برف جھاڑ دی تھی اور اس کے ٹکڑے زمین پر آ رہے تھے۔

میری اور لاورا نے جب کھڑکی کے ٹھنڈے شیشوں سے باہر دیکھا تو چھجوں سے رستا ہوا پانی اور بے رونق شاخیں سامنے تھیں۔ برف میں کوئی چمک نہ تھی۔ وہ ہلکی بھیگی اور بے رونق تھی۔ جہاں جہاں برف گری تھی درختوں کے نیچے اس کا ڈھیر لگا تھا۔ راستے کے آس پاس برف کا یہ ڈھیر سمٹ سمٹ کر بیٹھنے لگا تھا۔

ایک دن لاورا نے صحن کا تھوڑا سا حصہ صاف دیکھا۔ دن میں حالت اور سنوری رات ہوتے ہوتے پورا صحن برف سے صاف ہو گیا۔ اب وہاں صرف کیچڑ تھی۔ ہاں! راستہ پر ابھی برف باقی تھی اور ادھر ادھر اس کے انبار لگے تھے۔ جنگلے کے کناروں اور لکڑیوں کے ڈھیروں پر بھی یہی عالم تھا۔

"ما! لاورا پوچھ بیٹھی۔ "کیا میں کھیل کے لئے باہر نہیں جا سکتی؟"

"کیوں نہیں۔ ضرور جا سکتی ہو۔" ما بولی۔

لاورا نے پھر پوچھا "کیا ابھی چلی جاؤں؟"

"تم کل چلی جانا۔" ما نے وعدہ کیا۔

لیکن اسی رات لاورا سردی سے کپکپا کر جاگ گئی۔ لحاف او ز بچھونے ہلکے نظر آئے اس کی ناک بالکل برف ہو گئی تھی۔ ما نے ایک اور لحاف اس پر ڈالدیا۔ اور کہا "میری سے لیٹ جاؤ تاکہ گرمی آجائے"

صبح ہوئی تو کمرہ انگیٹھی سے گرم تھا۔ مگر لاورا نے جب کھڑکی سے جھانکا تو زمین کو گھنی ملائم برف سے ڈھکا پایا۔ درختوں کی سبھی شاخیں روئی کے گالوں کی مانند برف سے بھر پور تھیں۔ لوہے کے جنگلہ کے اوپری حصہ پر بھی برف کا ڈھیر تھا۔ دروازہ کی چوکھٹوں پر برف کا انبار ایسا لگ رہا تھا جیسے وہاں سفید گیندیں رکھی ہوں۔

پا اندر داخل ہوئے۔ انھوں نے کندھوں اور جوتوں پر لگی ہلکی برف جھاڑی وہ بولے "یہ برفیلی شکر ہے" لاورا سچ مچ شکر سمجھ بیٹھی۔ اس نے پا کی آستین کی ایک تہہ میں برف کے ایک ننھے دانے کو اپنی زبان لگادی۔ اس سے برف کی طرح اس کی زبان گیلی تو ہو گئی۔ شکر کا خاک مزا نہ آیا۔ پھر بھی وہ خوش تھی کہ اس کی اس حرکت کو کسی نے دیکھا نہیں۔

"اس کو برفیلی شکر کیوں کہتے ہیں" اس نے پا سے پوچھا۔ لیکن یہ بات بتانے کے لئے ان کے پاس وقت نہ تھا۔ وہ جلدی میں تھے اور انھیں گرانڈ پا کے یہاں جانا تھا۔

گرانڈ پا کا مکان دور بڑے اور گھنے جنگل میں تھا۔ لاورا کھڑکی سے اپنے پا کو جاتے دیکھتی رہی۔ وہ قد آور، مضبوط اور تیز قدم تھے۔ برف کو روندتے چلے جارہے تھے۔ ایک طرف کمر سے بندوق لٹکی تھی دوسری طرف تبر اور بارود والی سینگ کی کپی۔ ملائم برف پر ان کے بڑے بڑے جوتوں کے نشانات ابھرتے چلے جاتے تھے۔ لاورا اسی طرح اپنے پا کو دیکھتی رہی۔ یہاں تک کہ وہ جنگل میں آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔

اس روز پا کی واپسی دیر سے ہوئی۔ ان کی آمد سے پیشتر ما نے گھر میں چراغ جلادیا تھا۔ ان کے ایک بازو میں ایک بنڈل دبا تھا اور دوسرے ہاتھ میں ڈھکی

ہوئی لکڑی کی بالٹی تھی۔ "کیرولین لو" انھوں نے ما کو وہ بنڈل اور بالٹی تھما دی اور بندوق کو دروازہ کے اوپر کھونٹیوں پر جاتے ہوئے کہا "اگر آج کہیں بھیڑیئے سے مٹھ بھیڑ ہو جاتی تو یہ سامان گرائے بغیر میں اس کو نہ مار سکتا اور اگر میں یہ سامان گرا دیتا تو اس کو مارنا نہ مارنا بیکار تھا۔ میں تو صرف کھڑا کھڑا للچائی نظروں سے اسے کھاتے ہوا دیکھتا رہتا۔"

ما نے بنڈل کھولا تو اس میں بھورے رنگ کے دو سخت کیک تھے۔ جو سائز میں دودھ کے ڈونگے کے برابر تھے۔ بالٹی کا ڈھکن اٹھایا تو اس میں بھورے رنگ کا شیرہ تھا۔

پا نے لاورا اور میری کو پکارا اور جیب سے نکال کر ایک ایک گول بنڈل دیا۔ انھوں نے بنڈل پر لپٹے ہوئے کاغذ کو الگ کیا تو ہر ایک کے ہاتھوں میں بھورے رنگ کا ایک چھوٹا سخت کیک تھا۔ جس کے کناروں پر خوبصورت بیل بنے تھے۔

"اس کو دانت سے توڑو"۔ پا نے اپنی نیلی آنکھیں چمکاتے ہوئے کہا۔ ہر ایک نے ایک چھوٹے بل کو کاٹا اور اسے میٹھا اور مزیدار پایا۔ وہ ان کے منہ میں ریزہ ریزہ ہو کر گھل گیا۔

"یہ میپل شکر ہے"۔ پا نے کہا۔

رات کا کھانا تیار تھا۔ لاورا اور میری نے اپنی پلیٹوں میں میپل شکر کے کیک رکھ لئے اور اس کے شیرہ سے روٹی کھائی۔

کھانے سے فراغت پائی تو پا آگ تاپنے بیٹھ گئے اور دونوں کو اپنے گھٹنوں پر بٹھا لیا۔ انھوں نے گرانڈپا کے یہاں دن بھر کا پروگرام اور برفیلی شکر کی باتیں سنائیں۔

"ساری سردی" پا بولے "گرانڈپا لکڑی کی بالٹیاں اور پرنالیاں بناتے ہیں۔ یہ چیزیں صنوبر اور آتش کی لکڑی سے بنتی ہیں کیونکہ ان درختوں کی لکڑی میپل شیرہ کا مزہ نہیں بگاڑتیں۔

"پرنالی بنانے کے لئے وہ دو انگل موٹی اور ہاتھ بھر چوڑی کے ٹکڑے بناتے ہیں۔

اس کو ایک طرف سے آدھی بیچ تک کاٹتے ہیں اور کٹے ہوئے نشان سے دوسری طرف آدھی چیر دیتے ہیں۔ اس طرح یہ چپٹی چھڑی کے مانند ہو جاتی ہے۔ اس کے ایک سرے پر جو گول ٹکڑا ہوتا ہے۔ جس میں برے سے لمبان میں سوراخ کر دیا جاتا ہے۔ گرانڈ پا اس حصّہ کو اپنے چاقو سے اس قدر چھیلتے ہیں کہ سوراخ کے گرد ایک خول رہ جاتا ہے پھر لکڑی کے سپاٹ حصّہ کو چاقو سے چھیلتے ہیں۔ لیجئے پرنالی تیار ہے۔

دوا نہوں نے درجنوں ایسی پرنالیاں تیار کیں۔ اور لکڑی کی دس نئی بالٹیاں بھی بنائیں یہ چیزیں انھوں نے موسم گرما کے شروع ہونے اور درختوں میں رس پڑنے تک تیار کر لیں۔ ان کاموں سے فارغ ہو کر وہ ہر سال ایل کے جنگلوں میں جاکر درختوں کے تنے برماتے ہیں اور پرنالی کو اس کے گول سرے کی طرف سے برمائے ہوئے سوراخ میں ٹھوک دیتے ہیں۔ نیچے زمین پر صنوبر کی بنی ہوئی ایک بالٹی پرنالی کے چپٹے حصّہ کی سیدھ میں رکھ دی جاتی ہے۔

"تمھیں معلوم ہے کہ درخت کا رس اس کا خون ہوتا ہے۔ موسم بہار میں جب گرمی شروع ہوتی ہے تو یہ درختوں کی جڑوں سے ابھرتا ہے اور ٹہنیوں اور شاخوں تک پہونچکر سبز پتوں میں جان ڈالتا ہے۔ اور انھیں بڑھاتا ہے۔ جب ایل درخت کا یہ رس برمائے ہوئے سوراخ تک پہنچتا ہے تو ابل کر پرنالی کے ذریعہ رستا ہوا نیچے رکھی ہوئی بالٹی میں آگرتا ہے۔"

"اوہ! کیا اس بیچارے درخت کو تکلیف نہیں ہوتی" لاورا بیچ میں بول پڑی

"بس ایسے ہی جیسے کہ تم اپنی انگلی کاٹ لو اور خون بہہ نکلے"! پا نے جواب دیا

"ہر روز گرانڈ پا جوتے چڑھا، گرم کوٹ پہن اور سمور کی ٹوپی اوڑھ اس کو اکٹھا کرنے کے لئے برفانی جنگل میں نکل پڑتے ہیں۔ برف گاڑی پر لکڑی کا ایک پیپا رکھ کر ایک ایک درخت تک پہونچتے ہیں اور بالٹیوں کا جمع شدہ رس اس پیپے میں انڈیل دیتے ہیں۔ پھر وہ اس رس کو لوہے کے ایک کڑھائے تک لیجاتے ہیں جو دو درختوں کے تنوں کے درمیان رکھے ہوئے ایک لٹھے کے ساتھ زنجیر میں

بندھا ہوتا ہے۔ کڑھائے کے نیچے خوب آگ جلائی جاتی ہے جس سے رس ابلنے لگتا ہے۔ گرانڈپا بہت احتیاط سے اس کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ آگ اتنی تیز رکھی جاتی ہے کہ رس خوب پکتا رہے۔ اتنی نہیں کہ رس ابل کر نیچے آ رہے۔

"تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد ملائی اتاری جاتی ہے۔ اس کام کے لئے گرانڈپا لکڑی کے لمبے دستہ والی ڈوئی استعمال کرتے ہیں۔ یہ لیمو کے درخت کی بنی ہوتی ہے۔ جب رس بہت جوش کھانے لگتا ہے۔ تو گرانڈپا ڈوئی بھر رس کڑھائے سے نکالتے ہیں اور اوپر ہوا میں لیجا کر تھوڑا تھوڑا پھر کڑھائے میں ڈال دیتے ہیں۔ اس سے رس کا ابال کم ہو جاتا ہے۔ اور تیز ترا سے ابل نہیں پاتا۔ جب رس خوب پک جاتا ہے۔ تو وہ اس کے شیرہ سے بالٹیاں بھر لیتے ہیں اس کے بعد اس کو اتنا پکاتے ہیں کہ رکابی میں ٹھنڈا ہو کر پاپہ بن جائے۔ جب رس اتنا پک جاتا ہے تو جتنی جلدی بھی ہو سکتا ہے اس کے نیچے سے آگ سرکا لیتے ہیں اور گاڑھے شیرہ کو فوراً ڈوئی سے چوڑی سطح کے برتنوں میں انڈیل دیتے ہیں جو پہلے ہی سے تیار رکھے رہتے ہیں۔

. . . . ان برتنوں میں شیرہ ٹھنڈا ہونے پر بھورے رنگ کے سخت کیک کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ یہی میپل شکر ہے۔

"او وہ اب سمجھی" لاورا بول اٹھی۔ "چونکہ گرانڈپا شکر بناتے ہیں اس لئے اس کو برفیلی شکر کہا جاتا ہے"۔

"نہیں۔ ایسا نہیں" پا نے جواب دیا۔ "اسے برفیلی شکر اس لئے کہتے ہیں کہ سال کے اس حصہ میں برف پڑنے کا مطلب یہ ہے کہ لوگ زیادہ شکر بنا سکیں گے۔ تم دیکھتی ہو کہ کڑاکے کی سردی اور برفباری سے درختوں پر پتیاں نہیں آئیں گی۔ جب تک پتیاں نہیں آئیں گی رس برابر نکلتا رہے گا جتنے زیادہ دن تک رس نکلے گا گرانڈپا میپل شکر بناتے رہیں گے جو سال بھر تک ان کے عام استعمال کے لئے کافی ہو گی۔

جب وہ شہر میں اپنے اکٹھے کئے ہوئے سمور کو بیچنے جائیں گے تو انھیں شکر خریدنے کی زیادہ ضرورت نہ ہو گی۔ وہ صرف تھوڑی سی سفید چینی خریدیں گے تاکہ وقت ضرورت آنے جانے والوں کے کام آ سکے۔

"گرانڈپا برفیل شکر سے بڑے خوش ہوئے ہوں گے" لاورا نے پوچھا۔

"کیوں نہیں"۔ پا نے جواب دیا۔ "وہ بہت خوش ہیں۔ آئندہ پیر کے دن وہ پھر شکر تیار کریں گے۔ اس موقع پر ہم سب کو بلایا ہے۔"

پا [illegible] کہ رہے تھے کہ ماں [illegible]۔ انھوں نے سب سے مزیدار بات آخیر ہی کے لئے [illegible] رکھی تھی۔ انھوں نے ما سے کہا

"بہت [illegible] [illegible] ہاں [illegible] ہو گا۔"

ما مسکرا پڑی۔ وہ بڑی خوش تھی۔ تھوڑی دیر کے لئے تو وہ اپنا سینہ پرو[illegible] بھی بھول گئی۔

"اوہ چارلس"۔ ما نے کہا۔

وہ پھر اپنے کام میں مشغول ہو گئی لیکن وہ برابر مسکراتی رہی۔ اس نے کہا "میں اپنا جار جیٹ کا لباس پہنوں گی۔"

ما کا یہ جارجیٹ لباس بڑا خوبصورت تھا۔ اس کا رنگ گہرا سبز تھا۔ اس پر لمبا بری ملتے جلتے بیل بوٹے بنے ہوئے تھے۔ یہ لباس [illegible] واقعی اس کے وطن میں درزی نے سیا تھا۔ جب اس نے پا سے شادی کی تھی۔ شادی کے بعد وہ مغرب میں وسکونسن کے جنگلوں والے علاقہ کی طرف منتقل ہو گئی تھی۔ شادی سے پہلے ما بہت خوش پوش تھی۔ خوب فیشن کرتی تھی۔ اس کے کپڑے درزی ہی سیا کرتا تھا۔

یہ جارجیٹ لباس کاغذ کی تہہ میں لپٹا ہوا رکھا تھا۔ لاورا اور میری نے ما کو کبھی یہ لباس پہنے نہیں دیکھا تھا۔ ہاں ایک دفعہ ما نے انھیں دکھلایا ضرور تھا۔ انھوں نے چولی کے جال پر لگے ہوئے سرخ بٹنوں کو چھوا بھی تھا۔ ما نے انھیں یہ بھی بتلایا تھا کہ وہیل کی ہڈی کے ٹکڑے کس صفائی کے ساتھ سیون میں جالدار طریقہ پر جڑے گئے ہیں۔

اگر ما یہ بہترین لباس پہننے والی تھی تو اس ناچ کی شان و شوکت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا تھا۔ لاورا اور میری دونوں خوشی سے پھولی نہ سماتی تھیں۔ پا کے

گھٹنوں پر کود کود کر ناچ کے بارے میں ایک سوال کے بعد دوسرا سوال کرتی جاتی تھیں۔ آخرکار پا نے کہا

"بچیوں! اب تم اپنا بستر سنبھالو۔ جب تم یہ ناچ اپنی آنکھوں سے دیکھو گی تو سب کچھ سمجھ لو گی۔ مجھے تو اپنی وائلن پر ایک نئی دھن اڑانی ہے۔"

اس کے بعد جیسکی ہوئی انگلیاں دھوئی گئیں اور منہ صاف کر کے دعا مانگی گئی اسی دوران میری اور لارا جھٹ جھٹ گرا پنے کھٹولے پر آ رہیں۔ پا اور ان کا وائلن دونوں سریلی آواز نکال رہے تھے۔ فرش پر پا کی چاپ سر بار رہی تھی۔ گا نا۔

"میں ہوں کیپٹن جنکس، ہوں میں فوجی شہسوار
میرا گھوڑا دانہ کھاتا۔ غلہ پر کرتا ہے مدار
میرا خرچ ہے میری آمدنی سے زیادہ کیوں
میں ہوں کیپٹن جنکس، ہوں میں فوجی شہسوار
جی ہاں! میں ہوں کیپٹن جنکس اور فوجی شہسوار!"

آٹھواں باب

گرانڈپا کے یہاں ناچ کی محفل

گرانڈپا کے یہاں جلدی روانہ ہو جانے کی خاطر پیر کی صبح ہر ایک سویرے ہی اٹھ بیٹھا۔ پا رس جمع کرنے اور اس کو پکانے کے کام میں ہاتھ بٹانا چاہتے تھے اور ما محفل میں شریک ہونے والوں کے لئے کھانا پکانے میں گرانڈما اور چچیوں کی مدد کرنا چاہتی تھی۔

ناشتہ سے فراغت پائی۔ جلدی جلدی برتن دھوئے اور بستر سے ..... اندھیرے اندھیرے تہہ کر دیئے۔ پا نے اپنا وائلن بڑی احتیاط سے بکس میں۔ کھا اور

اسے دروازہ پر تیار کھڑی گاڑی میں رکھ دیا۔

ہوا ٹھنڈی ہی برف تھی۔ کچھ کچھ چاند نا تھا۔ لاورا۔ میری۔ ما اور ننھی کیری گاڑی میں گھاس کے بچھونے پر ایک دوسرے سے لگ کر لحافوں کے اندر دبک گئے۔

گھوڑوں نے سر ہلایا۔ چہل کرتے قدم اٹھایا۔ خوش آئند آواز میں ان کی گھنٹیاں بج اٹھیں وہ جنگل سے گزر کر گرانڈپا کے یہاں جانے والی سڑک پر دوڑنے لگے۔

سڑک پر برف چکنی اور ہموار تھی۔ گاڑی کے پھسلنے کے لئے نہایت موزوں تھی۔ وہ تیزی سے بڑھ رہی تھی۔ دونوں طرف بڑے بڑے درخت بھاگتے نظر آتے تھے۔

جلد ہی جنگل میں دھوپ نکل پڑی۔ ہوا میں گرمی آگئی۔ زرد روشنی کی لمبی لمبی دھاریاں درختوں کے تنوں کے سایوں کے درمیان گذر رہی تھیں۔ برف ہلکا گلابی جھلکنے لگا تھا۔ سائے ہلکے اور نیلے تھے۔ برف کے اندر کا معمولی سا جھکاؤ اور راستہ میں اس کا ذرا سا ابھار بھی سایہ دار تھا۔

پا نے لاورا کو سڑک کے آس پاس برف میں جنگلی جانوروں کے نشانات دکھلائے وہاں خرگوشوں کے اچھلنے کے نشانات تھے۔ جنگلی چوہوں کے ننھے ننھے پنجے تھے اور برفانی پرندوں کے پاؤں کی رگڑ کے نشانات تھے۔ کچھ بڑے نشان بھی تھے۔ کتوں کے پنجوں جیسے وہ لومڑیوں کے تھے۔ ہرن کی پیڑ بھی تھی جو چوکڑی بھرتا ہوا جنگل میں گھس گیا تھا۔

ہوا اور گرم ہو گئی تھی۔ پا بولے کہ اب برف زیادہ دیر تک جمی نہ رہ سکے گی۔ کچھ زیادہ وقت نہ ہوا تھا کہ وہ لوگ گرانڈپا کے مکان کے احاطہ میں تیزی سے داخل ہو رہے تھے۔ گاڑی کی گھنٹیاں بج رہی تھیں۔ گرانڈما ہنستے ہوئے دروازہ پر آئیں۔ وہ وہاں کھڑے مسکراتے ہوئے انتظار کر رہی تھیں۔

گرانڈما نے کہا کہ گرانڈپا اور چچا جارج جنگل میں کام کر رہے ہیں۔ پا بھی ان کا ہاتھ بٹانے چلے گئے۔ لاورا۔ میری اور ما ننھی کیری کو لئے ہوئے گھر میں داخل ہوئیں اور شالیں اتار ڈالیں۔

لاورا کو گرانڈپا کا گھر بہت بھایا۔ یہ یقیناً اس کے گھر سے بڑا تھا۔ ایک بڑا

کمرہ تھا۔ ایک چچی جان کا چھوٹا کمرہ تھا۔ ایک ایک چھوٹا کمرہ چچی ڈوسیہ اور چچی روبی کے لئے
تھا۔ ایک باورچی خانہ تھا جس میں ایک بڑا آتش دان بنا تھا۔

بڑے کمرے میں اچھل کود اچھی معلوم ہوتی تھی۔ چولھے کے اس سمت سے
کھڑکی کے نیچے گرانڈما کے پلنگ تک دوڑ رہتی تھی۔ فرش چوڑے چکلے تختوں کا بنا تھا
جنھیں گرانڈپا نے بڑے بڑے لٹھوں سے چیر کر بنایا تھا۔ فرش نہایت ہموار تھا جسے رگڑ
رگڑ کر چکنا اور صاف کیا گیا تھا۔ کھڑکی کے نیچے پروں سے بھرا ہوا ایک نرم بستر تھا۔

لارا اور میری بڑے کمرے میں کھیلتی رہیں اور باورچی خانہ میں گرانڈما اور چچیوں کا ہاتھ
بٹا رہی تھیں۔ دن بہت ہی جلدی گزر رہا تھا۔ مرد تو اب کھانا بھی جنگل ہی میں لیتے
تھے۔ اس لئے گھر میں کھانا میز پر نہیں چنا گیا تھا۔ سب نے ہرن کے ٹھنڈے کباب
اور دودھ پیا۔ البتہ رات کے کھانے میں گرانڈما نے خوب دعوت کی تھی۔

وہ انگیٹھی کے پاس کھڑی تھیں اور کیتلی کے بہتے ہوئے شکر ملے پانی سے زرد جھاگ
صاف کرکے ڈال رہی تھیں۔ انھوں نے بڑی ڈوئی سے اس میں سے کچھ نکال کر دیکھا کہ
کیتلی میں لگا۔ جب گاڑھا شیرہ دانہ دار گڑ تیار ہو گئی۔ تب انھوں نے چولھے کے پیچھے
اوپنے پر رکھ دیا کہ آہستہ آہستہ تپتی رہے۔

اس میں سوندھی مہک آ رہی تھی۔ باورچی خانہ کے گرم ماحول اور آتش دان
میں اخروٹ کی لکڑیوں کے جلنے اور چمکیلی آگ میں جلنے سے لطیف خوشبوئیں اٹھ
رہی تھیں۔ گرانڈما نے قریب میز پر رکھے ہوئے کیک، جو ان کے ڈلیا نے علیحدہ مزا دے
رکھا تھا غرضیکہ سارا کاسارا مکان خوشبوؤں سے مہک گیا تھا۔ کھڑکی کے آئینوں سے سورج
کی کرنیں اندر آ رہی تھیں۔ ہر ایک چیز نہایت صاف اور ستھری نظر آ رہی تھی۔

رات کے کھانے کے وقت گرانڈپا اور پا جنگل سے لوٹے۔ ان کے کندھوں پر
گرانڈپا کے ہاتھ کا بنایا ہوا جوا تھا۔ جسے بیچ کی طرف سے کسی قدر چھیلا گیا تھا تا کہ
گردن پر صحیح طور پر جم جا سکے۔ کندھوں کی طرف جوئے کو کھوکھلا کر دیا تھا۔ ہر سرے
پر ایک زنجیر تھی جس میں ایک ہک تھا اور ہک سے ایک بڑی بالٹی اپل کے گرم رس

سے بھری لٹک رہی تھی۔

پاپا اور گرانڈ پاپا جنگل میں بڑے دیگ سے یہ رس بھر کر لائے تھے۔ انھوں نے بالٹیوں کو ہاتھوں میں تھام رکھا تھا۔ اگرچہ زیادہ وزن کندھوں پر ہی تھا۔

گرانڈ ما نے انگیٹھی پہ پیتل کی ایک بڑی کیتلی رکھنے کی جگہ بنائی۔ پاپا اور گرانڈ پاپا نے رس کو کڑاہی میں انڈیل دیا۔ کڑاہی کافی بڑی تھی۔ اس میں چاروں بالٹیوں کا رس سما گیا۔

چچا جارج بھی ایک چھوٹی بالٹی میں رس لیکر آ گئے اور سب نے گرم حلوہ ابل کے رس کے ساتھ کھایا۔ بس یہی رات کا کھانا تھا۔

چچا جارج فوج سے گھر آئے ہوئے تھے۔ وہ پیتل کے بٹنوں والا نیلا فوجی کوٹ پہنے رہتے تھے۔ ان کی آنکھیں نڈر، چمکیلی اور نیلاہٹ بھری تھیں۔ وہ چوڑے چکلے تھے اور بڑی اکڑ کے ساتھ چلتے تھے۔

لورا حلوہ کھاتے چچا جی کی طرف تکتی رہی۔ اس نے پاپا کو ماما سے کہتے سنا تھا کہ وہ بڑے اکھڑ ہیں۔

"جنگ کے محاذ سے جارج بالکل جنگلی بن کر آیا ہے" پاپا نے افسوس کے ساتھ سر ہلاتے ہوئے اس طرح کہا گویا اب اس کا کوئی علاج نہیں۔ چچا جارج چودہ سال کی عمر میں ہی گھر سے بھاگ گئے ہوئے تھے اور انھوں نے فوج میں ڈھول بجانے کی نوکری کر لی تھی۔

جب وہ کھا چکے تو چچا جارج دروازہ کے باہر گئے اور اپنا فوجی بگل بڑے زور شور سے بجایا۔ اس کی آواز جنگل میں دور دور تک گونج گئی۔ جنگل میں اندھیرا اور سناٹا چھایا ہوا تھا۔ گویا درخت بھی ہمہ تن گوش تھے۔ بہت دور سے آواز واپس آئی۔ باریک اور صاف آواز جیسے بڑے بگل کے جواب میں کسی نے چھوٹا بگل بجایا ہو۔

"سنو"۔ چچا جارج نے کہا "کیا یہ اچھا نہیں لگا؟" وہ لورا سے خطاب کر رہے تھے۔ لورا نے ان کی طرف دیکھا تو سہی مگر بولی کچھ نہیں۔ اور جب چچا جارج نے بگل دوبارہ بجانا

اپنی کمر کا اپنے ہاتھوں سے جائزہ لیتی رہی اور آخرکار ہانپتے ہوئے بولی "میرے خیال میں اس سے زیادہ تمھاری طاقت سے باہر ہے۔"

وہ بولی "کیرولائن کہتی تھی کہ جب اس کی شادی ہوئی تو اس کی کمر چارلس کے دونوں ہاتھوں کے گھیرے میں آجاتی تھی۔"

کیرولائن، لاورا کی ماں تھی۔ لاورا یہ سنکر پھولی نہ سمائی۔ پھر جچی روبی اور جچی ڈوسیا نے اپنے فلالین کے سفید بنٹی کوٹ پہنے۔ یہ اگرچہ سادہ تھے۔ مگر کرگس کلف لگی تھی۔ گریبان اور آستینوں پر بنی ہوئی جھالر لگی تھی۔ پھر انھوں نے عمدہ ترین لباس پہنے۔

جچی ڈوسیا کا لباس پھولدار چھینٹ کا تھا رنگ گہرا نیلا تھا۔ جس پر سرخ پھول اور ہری پتیاں تھیں۔ چولی کے سامنے والے حصہ پر کالے بٹن اس طرح لگے تھے کہ یہ بالکل رس بھری بڑی بلیک بیری کی طرح نظر آتے تھے۔ لاورا کا جی چاہتا تھا کہ انھیں چکھ ہی لے۔

جچی روبی کا لباس انگوری رنگ کے موٹے کپڑے کا تھا جس پر ہلکے رنگ میں پروں کے نقوش بنے تھے۔ اس میں سنہری بٹن لگے تھے۔ ان بٹنوں پر ایک درخت اور چھوٹے سے محل کی عمارت کندہ تھی۔

جچی ڈوسیا کا خوبصورت کالر ایک بڑے رنگدار پن سے بندھا تھا جس پر ایک عورت کا چہرہ بنا ہوا تھا۔ لیکن جچی روبی نے اپنے کالر میں پن کی جگہ موم کا بنا ہوا سرخ گلاب لگا رکھا تھا۔ اس کام کے لئے انھوں نے رفو کرنے کی سوئی کے سرے کو استعمال کیا تھا جس کی آنکھ ٹوٹ گئی تھی اور اب وہ سوئی کے طور پر بیکار ہو گئی تھی۔

وہ جہاز کے بادبانوں کی طرح بڑے بڑے گول فراک پہنے ہوئے جب فرش پر چلتی تھیں تو وہ بڑی خوبصورت معلوم ہوتی تھیں۔ ان کی کمر پتلی اور ستواں تھی اور درمیان سے کسی ہوئی تھی۔ بالوں کی چمکدار لٹوں میں ان کے گال سرخ تھے آنکھیں روشن اور چمکدار تھیں۔

آبھی اپنے گہرے سبز رنگ کے سینہ بند میں بھلی معلوم دیتی تھی۔ اس پر چھوٹی چھوٹی پتیاں ایسی معلوم دیتی تھیں جیسے جھڑبیری کے پھل بکھرے پڑے ہوں۔ چھالر دار سایۓ میں چینٹ بھرے تھے۔ اس پر گہرے سبز رنگ کا فیتہ گوندھا گیا تھا۔ گلے کا بند سونے کا تھا جو پہنا تھا۔ لاورا کی دو بڑی انگلیوں جتنا لمبا چوڑا تھا۔ یہ منقش تھا اور اس کے کنارے آراستہ تھے۔ یہ پہن کر اس قدر بنی ٹھنی نظر آ رہی تھی کہ لاورا تو اس کے ہاتھ لگاتی جھجکتی تھی۔

مہمان آنا شروع ہو گئے تھے۔ انھوں نے برف کی چمکوں سے لالٹین کی روشنی میں پیدل ہی سفر کیا تھا مگر راستہ ملنے ہی وہ برف گاڑیوں اور دوسری گاڑیوں میں سوار ہو کر دروازہ تک آ پہنچے۔ برف گاڑیوں کی گھنٹیاں مسلسل بج رہی تھیں۔

بڑا کمرہ لمبے جوتوں اور سر سراتے ملبوسات سے بھر رہا تھا۔ گرانڈ ما کے بستر پر تمام بچے قطار در قطار لیٹے تھے۔ بچا جیمس اور چچی لبی بھی آئے تھے۔ ان کے ساتھ ان کی لڑکی لاورا انگال تھی۔ دونوں لاورا مڑ مڑ کر بچوں کو غور سے دیکھ رہی تھیں۔ دوسری لاورا نے کہا کہ منی کیرنا کے مقابلہ میں ہماری منی زیادہ اچھی ہے۔

"نہیں وہ اچھی نہیں"۔ لاورا بولی "کیری دنیا میں سب سے اچھی منی ہے۔"

"نہیں۔ نہیں یہ بالکل غلط ہے"۔ دوسری لاورا بولی۔

"ہاں ہاں"

"نہیں۔ بالکل نہیں"

ما اپنے عمدہ سینہ بند میں لچکتی ہوئی آئی اور جھڑکتے ہوئے بولی "لاورا"۔ بس پھر دونوں چپ ہو گئیں۔

چچا جارج نے اپنا بگل بجایا۔ تمام کمرہ گونج اٹھا۔ وہ بگل بجاتے اور ہنسی مذاق کرتے ناچ رہے تھے۔ تب پا نے اپنے بکس سے وائلن نکالا۔ انھوں نے بجانا شروع کیا ہی تھا کہ ہر جوڑا فرش پر تیار کھڑا ہو گیا۔ اور جب پا نے اشارہ کیا تو ناچنے لگے۔

"ٹھیک دائیں بائیں" پا بولے۔ سب کے دامن ناچ رہے تھے۔ بوٹوں کی تھاپ پڑ رہی تھی۔ دائرے بنا کر گھوم رہے تھے۔ ایک طرف قدموں کی تھاپ اور دوسری طرف ہاتھوں میں ہاتھ آتا اور ہوا میں بلند ہو کر جدا ہو جاتا۔

"اپنے ساتھیوں کی طرف جھکو" پا نے پکارا۔ ہر ایک مرد اپنے بائیں لیڈی کی طرف جھک گیا۔

پا کے کہنے کے مطابق ہی سب کچھ ہوا۔ لاورا نے ما کے دامن کو لہراتے کمر کو لچکتے اور سیاہ بالوں کو لٹکتے دیکھا تو خیال کیا کہ ما دنیا میں سب سے زیادہ اچھا ناچنے والی ہے۔

وائلن کی دھن تھی۔

تم نہ آؤ گے آج کی رات
نہ آؤ گے آج کی رات
نہ آؤ گے آج کی رات
نہ ناچو گے یہ چاندنی رات

چھوٹے بڑے دائرے بنتے رہے اور دامن قدموں کی تھاپ پر اڑتے رہے۔ ساتھی بچھڑتے اور ملتے۔ ایک دوسرے کی طرف جھکتے اور جدا ہو جاتے۔

باورچی خانہ میں گرانڈما تنہا ہیسل کی بڑی کیتلی میں ابلتے ہوئے رس ساز کی گت پر گھونٹ رہی تھیں۔ پچھلے دروازے کے قریب سفید برف سے بھرا ہوا پیپا رکھا تھا۔ کبھی کبھی گرانڈما چاشنی کا ایک چمچہ کیتلی سے لیتیں اور رکابی میں برف ڈال دیتیں۔

لاورا ناچ دیکھنے میں پھر مشغول ہو گئی۔ پا اب آئرش دھن بجا رہے تھے۔ گاتا۔۔

انکو دیکھو اور اٹھلاؤ
ناچو، گاؤ اور بجاؤ

لاورا کے پاؤں بھی تھرکنے لگے۔ چچا جارج یہ دیکھ کر ہنس پڑے۔

انھوں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور ایک کونے میں تھوڑی دیر اس کے ساتھ ناچے۔ لاوڈا ان سے
مانوس ہو گئی تھی۔

ہر ایک ہنس رہا تھا۔ ویسے سب کی نظریں باورچی خانہ کے دروازہ پر تھیں۔
وہاں سے گرانڈما کو کھینچ کر لایا جا رہا تھا۔ ان کا لباس بھی گہرے نیلے سوتی کپڑے کا تھا
جس پر زرد رنگ کے گل بوٹے تھے۔ یہ لباس دیکھنے میں کافی حسین تھا۔ ہنسی سے
ان کے گالوں پر گلابی جھلک ابھر آئی تھی۔ وہ سر ہلا رہی تھیں اور ڈولی ان کے ہاتھ
میں تھی۔ "میں شیرے کو کیسے چھوڑ دوں؟" وہ بولیں۔

پاپا نے "ہم راکا لی مسافر" بجانا شروع کر دیا۔ پھر کیا تھا، ہر ایک اس کی گت پر
تال بجانے لگا۔ گرانڈما کے ناچنے کے لئے سب کا اصرار تھا۔ آخرکار انھیں جھکنا ہی
پڑا۔ ان کے قدم بھی تال پر اٹھنے لگے۔ ناچ تو وہ سب سے اچھا ہی جانتی تھیں۔

چچا جارج نے ایک دم بوتر کی طرح بازو ابھارے اور دادی کے سامنے آداب
بجا کر رقص شروع کر دیا۔ پھر کیا تھا۔ گرانڈما نے اپنی ڈولی کسی کو تھما دی۔ ہاتھ
کولھوں پر رکھے اور چچا جارج کے مقابلہ پر آ گئیں۔ ہر ایک خوشی سے بول اٹھا۔
"گرانڈما رقص کر رہی ہیں!"

لاوڈا نے سب کے ساتھ تالی بجانی شروع کر دی۔ وائلن کو بھی آج
ہی بجنا تھا۔ گرانڈما کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ رخسار سرخ تھے اور سائے کے نیچے
ان کی ایڑیاں چچا جارج کے بوٹ کی تال پر اٹھ رہی تھیں۔

ہر ایک جوش و خروش میں تھا۔ چچا جارج رقص میں تھے۔ گرانڈما ان کے
مقابل تھیں۔ وائلن بج رہا تھا۔ چچا جارج کا سانس پھول گیا۔ وہ پیشانی سے پسینہ
پونچھ رہے تھے۔ دادی نے آنکھ مٹکائی۔

"جارج تم ان کو ہرا نہیں سکتے!" کسی نے طعنہ دیا۔

سنتے ہی چچا جارج کے رقص میں زیادہ جوش و خروش آ گیا۔ اسی طرح گرانڈما
کے رقص نے بھی نئی صورت اختیار کر لی۔ ہر ایک نے نعرہ تحسین بلند کیا۔ تمام

عورتیں ہنس ہنس کر تالیاں بجا رہی تھیں اور وہ جارج کو چڑا رہے تھے۔ مگر اس نے کوئی پروا نہیں کی۔ اگرچہ ہنسنے تک کی سکت نہ تھی۔ اس پر بھی وہ ناچے جا رہے تھے۔ پا کی آنکھوں سے خوشی کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔ وہ کھڑے ٹکٹکی باندھے جارج اور گرانڈما کی طرف دیکھ رہے تھے۔ مضراب وائلن کے تاروں پر دیا دب پڑ رہا تھا۔ لاورا اچھل پڑی۔ کودنے لگی اور تالیاں بجانے لگی۔

گرانڈما رقص میں مشغول رہیں۔ ہاتھ کولہے پر۔ ٹھوڑی شگفتہ اور چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ جارج ناچتے رہے۔ مگر ان کے جوتے اب پہلے جیسی تھاپ نہیں دے رہے تھے ان کے مقابلہ پر گرانڈما کی ایڑیاں تیزی کے ساتھ آہنی کھٹ بج رہی تھیں جارج کی پیشانی سے پسینہ کا ایک قطرہ گال پر ڈھلک آیا۔ انھوں نے فوراً اپنے ہاتھ اٹھائے اور ہانپتے ہوئے بولے "یہ ہارا" انھوں نے رقص کرنا بند کر دیا۔

سب نے شور مچا دیا "ہو ہلا" اور تالیوں کے ساتھ گرانڈما کی داد دی۔

گرانڈما نے ایک دو منٹ تک رقص جاری رکھا۔ پھر ٹھہر گئیں۔ اور ہنستے ہوئے ہنسنے لگیں۔ ہنستے ہنستے ان کی آنکھیں ایسی ہی چمکدار تھیں جیسی کہ پا کی آنکھیں۔ جارج بھی اپنی پیشانی آستین سے پونچھتے ہوئے ہنس رہا تھا۔

گرانڈما ہنستے ہنستے ایک دم خاموش ہو گئیں اور باورچی خانہ کی طرف دوڑیں۔ وائلن بجنا بھی بند ہو گیا تھا۔ عورتیں ایک جگہ ہو کر بات چیت میں مشغول تھیں۔ مرد جارج کے پیچھے پڑے تھے لیکن گرانڈما کو اس حالت میں دیکھ کر تھوڑی دیر کے لیے تو سب حیران رہ گئے۔ تب گرانڈما بڑے کمرے اور باورچی خانہ کے درمیانی دروازہ میں آ کھڑی ہوئیں اور بولیں۔

"شیرے کی چاشنی تیار ہے۔ دوست خود [illegible]"

یہ سن کر سب پہلے کی طرح ہنسنے بولنے لگے۔ سب باورچی خانہ کی طرف اپنی اپنی پلیٹ لیے دوڑے اور باہر جا کر پلیٹوں میں برف لے آئے۔ باورچی خانہ کا دروازہ جونہی کھلا ہوا کی سرد لہر اندر داخل ہو گئی۔

باہر آسمان پر تارے دھندلے تھے۔ ہوا کی خنکی نے لاورا کے گال اور ناک کو سُن کر دیا تھا۔ سانس دھویں جیسا ہو رہا تھا۔

اس نے اور دوسری لاورا نے تمام بچوں کے ساتھ اپنی اپنی پلیٹیں برف سے بھریں اور باورچی خانہ کی بھیڑ میں جا گھسے۔

گرانڈ ما پیتل کی کیتلی کے پاس ڈوئی ہاتھ میں لئے کھڑی تھیں۔ اور ڈوئی سے ہر پلیٹ پر گرم شیرہ برف کی پلیٹ پر ڈال رہی تھیں۔ وہ ٹھنڈا ہو کر قندلی بن جاتا تھا۔ اور جیسے ہی وہ ٹھنڈا ہوتا لوگ اسے کھا لیتے۔

وہ جتنا چاہتے کھا سکتے۔ میپل کا رس ضرر رساں نہیں ہوتا۔ کڑاہی رس سے بھری تھی اور برف کی بھی کوئی کمی نہ تھی۔ جیسے ہی ایک پلیٹ ختم ہوتی اسے برف سے پھر بھر لیتے اور گرانڈ ما اس پر شیرہ ڈال دیتیں۔

جب لوگوں کا جی میپل کے شیرہ سے بھر گیا تب بڑی میز کی طرف رجوع ہوئے جس پر کدو کا پکوان، خشک بیری کا پکوان۔ بسکٹ اور کیک وغیرہ لگے ہوئے تھے۔ نان۔ ٹھنڈہ ابلا ہوا سور کا گوشت، اور اچار چٹنیاں موجود تھیں ان پہ اچار چٹنیاں کس قدر میٹھی تھیں۔

لوگوں نے خوب جی بھر کر کھانا کھایا۔ کچھ گنجائش باقی نہ رہی۔ کھانے سے فارغ ہوتے ہی پھر ناچنے لگے لیکن گرانڈ ما کا دھیان کڑاہی میں رس کی طرف ہی لگا رہا۔ کئی بار انھوں نے ڈوئی سے رکابی میں نکال کر دیکھا۔ اور پھر اسے گھونٹنے لگیں۔ تب انھوں نے اپنا سر ہلایا اور رس کو دوبارہ دیگچی میں ڈال دیا۔

دوسرے کمرے میں وائلن کی آواز اور ناچ گانے کا شور ہو رہا تھا۔ آخر کار گرانڈ ما جیسے جیسے گھونٹتی گئیں، رکابی میں رس باریک دانوں کی شکل اختیار کرنے لگا۔ گرانڈ ما نے آواز دی۔

"لڑکیوں! جلدی کرو۔ اس میں دانہ پڑنے لگا ہے۔"

"جیجی روبی، جیجی ڈوسیا اور ما نے ناچ گانا چھوڑا اور بھاگی ہوئی آئیں

انھوں نے چھوٹی بڑی رکابیاں پھیلا دیں۔ گرانڈ ما انھیں رس سے بھرتی گئیں۔
سامنے سے بھری ہوئی پلیٹ ہٹا لی جاتی اور خالی پلیٹ رکھ دی جاتی۔ اس طرح
تمام پلیٹیں بھر دی گئیں۔ انھوں نے یہ بھری ہوئی پلیٹیں باہر ہوا میں علیحدہ رکھ دیں
تاکہ ٹھنڈی ہو کر ٹافی کی تہ تیار ہو جائے۔

گرانڈ ما بولیں "بچوں کے لئے چھوٹی رکابیاں لاؤ۔"

ہر چھوٹے بچے اور بچی کے لئے ایک چھوٹی رکابی یا کم از کم ٹوٹا ہوا پیالہ
یا طشتری موجود تھی۔ بچوں کی نظر گرانڈ ما کی ڈوئی پر لگی تھی جس سے رس نکالا
جا رہا تھا کہ کہیں کسی کے پاس رس کم نہ ہو جائے۔ اور پھر انھیں اپنے حصے میں
سے دینا پڑے۔

رس اتنا موجود تھا کہ سب کو پورا مل جائے۔ کیتلی کو پونچھ پانچھ کر سب سے
آخری رکابی بھی بھر ہی گئی۔ کوئی بھی باقی نہ رہا۔

ناچ گانا ابھی چل رہا تھا۔ دونوں لاورا قریب سے ناچ دیکھتی رہیں۔ پھر
ایک کونہ میں چلی گئیں اور وہاں سے دیکھتی رہیں۔ ناچ گانا اس قدر دلکش تھا کہ لاورا
کا جی سیر نہ ہوتا تھا۔

حسین سائے لہرا رہے تھے۔ وائلن کی خوش آئند ساز پر جوتے کی تھاپ
پڑ رہی تھی۔

لاورا کی آنکھ کھلی تو وہ گرانڈ ما کے پلنگ پر بیٹھی کی طرف پڑی تھی۔ صبح ہو چکی تھی
ما۔ گرانڈ ما اور منی کیری سو رہے تھے۔ پا اور گرانڈ پا آتش دان کے قریب کمبل تلے
فرش پر بیٹھے تھے۔ میری کا پتہ نہ تھا۔ وہ تو بچی ڈوسیا اور بچی روبی کے ساتھ بستر پر
سو رہی تھی۔

جلدی ہی سب اٹھنے شروع ہو گئے۔ ناشتہ میں توے کی روٹیاں اور
ماپل کا رس تھا۔ اسی اثنا میں پا سامنے دروازہ پر گھوڑے اور برف گاڑی لگا دی
انھوں نے ما اور منی کیری کو اندر بٹھایا۔ گرانڈ پا نے میری کو اور مجھے جارج

نے لاورا کو گاڑی میں گھاس پر بٹھلا دیا۔ پا نے ان کے اوپر لحاف ڈال دیا۔ گرانڈ پا گرانڈما اور چچا جارج کھڑے رخصتی سلام کر رہے تھے۔ گاڑی گھنے جنگل میں گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔

سورج میں گرمی تھی۔ گھوڑے ڈلکی چال چلتے ہوئے اپنی ٹاپوں سے کیچڑ ملا برف اڑاتے جا رہے تھے۔ لاورا گاڑی کے پیچھے کی طرف گھوڑوں کے قدموں کے نشان دیکھتی جا رہی تھی۔ ہر نشان گارے اور برف کی ہلکی تہہ میں ڈوبتا ہوا نظر آ رہا تھا۔

پا بولے "رات سے پہلے پہلے برفیلی شکر ختم ہو جائے گی۔"

نواں باب

شہر کے لئے روانگی

برفیلی شکر کا موسم ختم ہوا تو بہار آئی۔ خدارسلاتوں کے جنگلے سے لگی ہیزل کی سرسبز جھاڑیوں میں پرندے چہچہانے لگے۔ گھاس ہرا بھرا ہو گیا۔ جنگل خودرو پھولوں سے بھر گئے۔ لالہ۔ بنفشہ۔ سنبل اور دوسرے خوبصورت نازک ستاروں جیسے گھاس کے پھول ہر جگہ کھلے تھے۔

گرمی کے دن جیسے جیسے آتے گئے۔ لاورا اور میری ننگے پاؤں چلنے کے لئے مچلنے لگیں پہلے تو وہ لکڑی کے ڈھیر تک ہی ننگے پاؤں جا کر لوٹ آئیں۔ مگر دوسرے دن وہ زیادہ دور تک گئیں۔ جلد ہی ان کے جوتوں کو تیل دے کر رکھ دیا گیا۔ اس طرح اب وہ تمام دن ننگے پیر ہی پھر سکتی تھیں۔

ہر رات سونے سے پہلے اپنے پاؤں دھونے کا معمول تھا۔ فراک کی سنجاف کے نیچے ان کے ٹخنے اور پاؤں اتنے ہی بھورے اور چکنے تھے جتنے کہ ان کے چہرے۔

مکان کے سامنے شاہ بلوط کے دو درختوں کے نیچے کا میدان ان کے کھیل کی جگہ تھی میری اور لاورا دونوں نے اپنا اپنا درخت اور اس کے نیچے کی جگہ اپنا رکھی تھی۔ ملائم گھاس ان بچوں کے لئے قالین کا کام دیتا۔ درختوں کی ہری پتیاں ان کی چھت تھیں جن کے درمیان نیلا آسمان جھلکتا تھا۔

پا نے سخت چھال کا ایک جھولا بنا کر لاورا کے درخت کی ایک بڑی اور نیچی شاخ سے لٹکا دیا تھا چونکہ یہ لاورا کا درخت تھا اس لئے جھولا بھی لاورا ہی کا تھا لیکن اس کے باوجود اسے اتنا ایثار کرنا ہی پڑا کہ میری جب چاہے اسے استعمال کر سکے۔

میری کے پاس کھیلنے کے لئے ایک ترخی ہوئی پلیٹ تھی۔ لاورا کے پاس ایک خوبصورت پیالہ تھا۔ جس کا ایک کنارہ جھڑا ہوا تھا۔ پا نے ان کے لئے آدمی کی شکل کے لکڑی کے دو کھلونے بنا دیئے تھے اور ان کا نام شارلیٹ اور نیٹی رکھدیا تھا ان گڑیوں کے لئے تازہ پتوں کے بسترے بنائے جاتے۔ پتوں کے ہی پیالے اور پلیٹیں بنائی جاتیں۔ جنھیں میز پر سجایا جاتا۔ ایک عمدہ چکنے پتھر کو میز کے طور پر کام میں لایا جاتا۔

سوکی اور روزی نام کی گائیں تازہ گھاس اور کونپلیں چرنے کے لئے جنگل میں آزاد چھوڑ دی جاتیں۔ کھلیان میں دو بچھڑے تھے۔ سات چھوٹے سور اور ایک ان کی ماں سور خانہ میں تھی

جو زمین پچھلے سال توڑی تھی پا اس میں ٹھنڈوں کے آس پاس ہل چلا رہے تھے اور فصل بو رہے تھے۔ ایک رات وہ کام سے لوٹے تو لاورا سے کہنے لگے۔

"بتاؤ۔ تمھارے خیال میں آج میں نے کیا دیکھا"

اس کے قیاس میں بھی نہ آسکتا تھا کہ پا نے کیا دیکھا۔

پا بولے "اچھا۔ میں بتاتا ہوں۔ آج صبح میں کھلیان میں کام کر رہا تھا، نگاہ اٹھائی تو دیکھا کہ جنگل کے کنارے ایک ہرن کھڑا ہے۔ وہ ہرنی تھی ماں تھی۔ اور تم یہ بات تو بتا ہی نہیں سکتیں کہ اس کے ساتھ اور کون تھا؟"

"ہرن کا بچہ" لاورا اور میری دونوں نے ایک ساتھ سوچتے ہوئے جواب دیا

اور انھوں نے زوردار تالیاں بجا ڈالیں۔

"ٹھیک"۔ پا بولے۔" اس کا بچہ اس کے ساتھ تھا۔ وہ ننھا سا تھا اور بہت حسین تھا بالکل بلکا رنگ۔ بڑی کالی آنکھیں اور نازک نازک کھُر تھے۔ میرے انگوٹھے سے بڑے نہ تھے۔ پتلی پتلی ٹانگیں تھیں اور نہایت معصوم چہرہ تھا۔

وہ وہیں کھڑا رہا۔ اس نے میری طرف اپنی بڑی اور حسین آنکھوں سے تعجب کے ساتھ دیکھا کہ میں کون ہوں۔ اس نے بالکل خوف نہ کھایا۔

"آپ ہرن کے بچے کو تو بندوق سے نہیں مارتے۔ کیا مارتے ہیں؟" پا کو مخاطب کرتے ہوئے لاورا بولی۔

"نہیں نہیں۔ کبھی نہیں" انھوں نے جواب دیا۔" نہ اس کی ماں کو نہ اس کو۔ نہ اس کے پا کو۔ شکار تو اس وقت تک بالکل بند ہے۔ جب تک یہ چھوٹے جنگلی جانور بڑے نہ ہو جائیں۔ برف گرنے تک ہم سب کو بغیر گوشت کے ہی رہنا ہو گا۔"

پا بولے کہ فصل آتے ہی شہر چلیں گے۔ لاورا اور میری بھی ساتھ ہوں گی۔ وہ اب کافی ہوشیار ہو گئی ہیں۔

وہ خوشی سے پھولی نہیں سما رہی تھیں۔ دوسرے ہی دن انھوں نے شہر جانے کا کھیل کھیلنا شروع کر دیا۔ وہ یہ کھیل اچھی طرح نہیں کھیل سکتی تھیں۔ وہ یہ جانتی ہی نہ تھیں کہ شہر حقیقت میں ہے کیا؟ وہ اتنا جانتی تھیں کہ شہر میں ایک دوکان ہے۔ لیکن انھوں نے کبھی دوکان دیکھی نہیں تھی۔

اس کے بعد تقریباً ہر روز شارلیٹ اور ننھی شہر چلنے کی اجازت چاہتے۔ لیکن لاورا اور میری ہمیشہ یہی کہتیں، نہیں پیارے۔ اس سال نہیں اگلے سال۔ اگر تم اچھے ثابت ہوئے تو تمھیں ضرور لے چلیں گے"۔ آخر کار ایک رات پا بولے "کل شہر چلیں گے۔"

اگرچہ یہ درمیانی ہفتہ کی بات ہے مگر ما نے لاورا اور میری کے خلاف معمول نہلایا دھلایا اور ان کے بالوں کو سنوارا۔ ما نے ان کے بالوں کو کئی حصوں میں تقسیم کیا۔ پھر ان کو کو ندھ کر دھجیوں سے باندھ دیا جدھر بھی وہ تکیہ پر سر رکھتیں ادھر ہی چھوٹی چھوٹی

منڈھیاں لگی ہوئی تھیں صبح کے وقت تک ان کے بال گھنگھریالے ہو جائیں گے ۔

بچے اس قدر خوش تھے کہ ان کی نیند اچاٹ ہو گئی تھی ۔ ما بھی معمول کے مطابق ٹیلے والی لیکن وہ نہیں بیٹھیں ۔ وہ دوپہر کا کھانا بنانے کے لئے سب چیزیں تیار کر رہی تھیں ۔ انھوں نے بہترین قسم کے موزے ، پیٹی کوٹ اور دوسرے ملبوسات نکالے ۔ پا کے لئے ایک اچھا قمیص اور اپنے لئے گہرے بھورے رنگ کا لباس چن لیا ۔ اس لباس پر گہرے بیگنی رنگ کے پھول پتے بنے تھے ۔

اب دن بڑے تھے ۔ ما نے صبح کا ناشتہ ختم کرنے سے پہلے ہی لیمپ بجھا دیا ۔ وہ موسم بہار کی بڑی حسین اور روشن صبح تھی ۔

ما نے لورا اور میری کو جلدی سے ناشتہ کرایا ۔ اور تیزی سے برتن اٹھائے ۔ انھوں نے اپنے موزے اور جوتے پہنے ۔ اتنے میں ما نے بستر لپیٹ ڈالے ۔ پھر انھوں نے بچوں کو بہترین لباس پہنائے ۔ میری کو نیلا چینی چھینٹ اور لورا کو سرخ چھینٹ کا لباس پہنایا ۔ میری نے لورا کی پشت کے بٹن لگائے اور ما نے میری کے بٹن لگائے ۔

ما نے ان کے بالوں پر بندھی ہوئی چندیاں کھول ڈالیں ۔ اور بالوں کے گول حلقوں میں جو کندھوں پر پڑے تھے لمبائی میں کنگھی کر دی ۔ انھوں نے اتنی سخت کنگھی کی کہ دندانوں کی رگڑ سے تکلیف ہوتی تھی ۔ میری کے بال سنہرے اور خوبصورت تھے لیکن لورا کے خاکی بھورے رنگ کے تھے ۔

جب دونوں کے چٹیلے پڑ گئے تو ما نے انھیں ٹوپ اوڑھا کر ٹھوڑی کے نیچے باندھ دیئے اور اپنے کالر میں سونے کا پن لگایا ۔ جب پا دروازہ پر گاڑی لائے تو ما اپنا ہیٹ لگا رہی تھیں ۔

پا نے گھوڑوں کی پالش کر کے ان کو چمکا دیا تھا اور گاڑی کو بھی جھاڑ پھونک کر صاف کر دیا تھا ۔ انھوں نے سیٹ کے اوپر اسے گداز بنانے کے لئے ایک کمبل ڈال دیا تھا ۔ ما اپنی گود میں ننھی کیری کو لیکر بیٹھ گئیں ۔ لورا اور میری ایک تختے پر بیٹھیں جو سیٹ کے پیچھے گاڑی کے عرض میں باندھ دیا گیا تھا ۔

جونہی وہ سبزپوش جنگل سے گذرے ان کا دل خوش ہو گیا۔ میری ہنس ہنس کر چہلتی تھی۔ ماں مسکرا رہی تھی اور پا گھوڑا ہانکتے اور سیٹی بجاتے جا رہے تھے۔ سڑک پر دھوپ تیز تھی جنگل کی جھاڑیوں سے ٹھنڈی خوشبوئیں مہک رہی تھیں۔

سامنے سڑک پر خرگوش کھڑے نظر آتے۔ ان کے اگلے چھوٹے چھوٹے کھڑے کے کو جھکے ہوتے وہ ناک سے سڑکتے تھے۔ ان کے لمبے اور جلدی جلدی ہلنے والے کانوں کے درمیان سے دھوپ چھنتی نظر آتی تھی۔ وہ دم کے دم میں اڑنچھو ہو جاتے۔ ان کی دم کو نہ ہی جاتی۔ لاورا اور میری نے دو بار ہرن بھی دیکھا۔ جو درختوں کے سایہ میں کھڑا ہوا اپنی بڑی کالی آنکھوں سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

شہر پیپن ساتھ میں تھا۔ یہ شہر چونکہ پیپن جھیل کے کنارے بسا تھا اس لئے اس کا یہی نام پڑ گیا تھا۔

کافی دیر چلنے کے بعد لاورا کو درختوں کے درمیان نیلے پانی کی جھلک نظر آنی شروع ہوئی۔ سخت سڑک نرم ریت میں بدل گئی۔ ریت میں گاڑی کے پہیئے دھنسنے لگے۔ گھوڑے بدقت تمام گاڑی کھینچ رہے تھے اور پسینہ میں شرابور تھے۔ کئی مرتبہ پا نے گاڑی روکی تا کہ گھوڑے سانس لے سکیں۔

ایک دم سڑک جنگل سے باہر آ گئی۔ اب تو لاورا صاف طور پر جھیل دیکھ سکتی تھی۔ اس کا رنگ بالکل آسمان جیسا نیلا تھا۔ اس کا پھیلاؤ بہت تھا کہیں کنارہ نظر نہ آتا تھا۔ جہاں تک نگاہ جاتی پانی کے سوائے کچھ نہ تھا۔ بہت دور ایک گہری نیلی لکیر نظر آتی جہاں آسمان اور پانی ملتے ہوئے دکھلائی دیتے۔

سر کے اوپر وسیع آسمان کی چھت تھی۔ لاورا کو تو کبھی اس کا وہم بھی نہ تھا کہ آسمان اس قدر بڑا ہے۔ اس کے ارد گرد اس قدر خلا تھا کہ وہ سہم سی گئی۔ اس محیط اور خالی فضا میں وہ ایک معمولی اور حقیر سی شے تھی۔ اگر ما اور پا موجود نہ ہوتے تو وہ یقیناً خوف کھا جاتی۔

ایک دم دھوپ میں گرمی آ گئی۔ خالی اور وسیع آسمان میں سورج تقریباً سر پر چمک

رہا تھا۔ ٹھنڈے جنگل جھیل کے کنارے سے دور رہ گئے تھے۔ اتنے بڑے آسمان کے نیچے بڑے بڑے جنگل بھی چھوٹے نظر آنے لگے تھے۔

پا نے گھوڑوں کو ٹھہرایا اور گاڑی کی سیٹ کی طرف مڑ کر اپنے چابک سے آگے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولے

"لاورا میری بچی! دیکھو۔ ۔ شہر پیپن"

لاورا تختے پر کھڑی ہو گئی۔ پا نے اس کا بازو پکڑ کر سہارا دیے رکھا۔ کہ وہ شہر دیکھ سکے۔ وہ تو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اب اس نے جانا کہ جب ڈوڈلے وہ شہر کو اس لئے نہ دیکھ سکا تھا کہ وہاں اس قدر مکانات تھے تو اس کے دل پر کیا گزری ہوگی۔

جھیل کے کنارے پر ایک بڑی عمارت تھی۔ یہ دوکان تھی۔ پا نے اسے بتایا کہ وہ لکڑی کے لٹھوں سے نہیں بنی ہے۔ بلکہ وہ اوپر نیچے چنے ہوئے خوبصورت تختوں کی بنی تھی۔ اس کے آس پاس ریت بچھی تھی۔

دوکان کے عقب میں ایک احاطہ تھا۔ یہ پا کے گھر کے احاطہ سے بڑا تھا۔ یہ جگہ درخت کاٹ کر صاف کی گئی تھی۔ وہاں اتنے مکانات بنے تھے کہ لاورا انہیں گن نہیں سکتی تھی۔ وہ بھی لکڑی کے لٹھوں سے نہیں بنے تھے بلکہ دوکان کی طرح تختوں سے بنے تھے۔

لاورا کے وہم و گمان میں بھی اس قدر گنجان آبادی نہ آئی تھی۔

مکانات اگرچہ دوکان سے چھوٹے تھے۔ ان میں سے ایک نئے تختوں سے بنا ہوا تھا۔ یہ پیلے رنگ کا نئی نئی کٹی ہوئی لکڑی کا تھا۔ اس کا رنگ بھی خراب نہیں ہوا تھا۔ یہاں کی تمام آبادی مکانوں میں رہتی تھی۔ مکان کی چمنیوں سے دھواں نکل رہا تھا۔ عجیب بات یہ تھی کہ پیر کا دن نہ ہوتے ہوئے بھی کچھ عورتوں نے اپنے گھر کے پاس ٹھنڈوں اور جھاڑیوں پر دھلے ہوئے کپڑے سکھانے کے لئے پھیلا رکھے تھے۔

کچھ بچے دھوپ میں کھیل رہے تھے۔ دوکان اور مکانات کے درمیان کھلی جگہ تھی جہاں بچے ایک ٹھنڈ سے دوسرے ٹھنڈ پر کود رہے تھے اور شور مچا رہے تھے۔

"دیکھو! یہ ہے پیپن"۔ پا بولے۔

لاورا نے سمجھنے کے انداز میں بس سر ہلا دیا۔ وہ تو دیکھنے میں محو تھی۔ اس کی زبان سے ایک لفظ تک نہ نکلا۔ کچھ دیر بعد وہ بیٹھ گئی اور گھوڑے چلتے رہے۔

انھوں نے گاڑی جھیل کے کنارے چھوڑ دی۔ پا نے گھوڑوں سے جُوا اتارا اور دونوں کو گاڑی کے ایک ایک طرف باندھ دیا۔ پھر انھوں نے لاورا اور میری کا ہاتھ پکڑ کر اتارا۔ ما کیری کو لیکر اُن کے برابر آ کھڑی ہوئی۔ وہ گہری ریت سے گزرتے ہوئے دوکان تک گئے۔ گرم ریت لاورا کے جوتوں میں گھس گئی۔

دوکان کے سامنے ایک چوڑا چبوترہ تھا جس ' ایک طرف ریت سے لیکر چبوترہ تک سیڑھیاں بنی تھیں۔ لاورا کا دل اتنے زور سے دھڑک رہا تھا کہ اسے سیڑھیوں پر چڑھنا مشکل ہو گیا۔ اس کے تمام بدن میں سنسناہٹ تھی۔

یہ وہ دوکان تھی جہاں پا اپنی سمور بیچنے آیا کرتے تھے۔ یہ لوگ جب اندر پہنچے تو دوکاندار نے پا کو پہچان لیا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کی طرف بڑھا۔ پا اور ما سے بات چیت کرنے لگا۔ پھر لاورا اور میری نے بھی اسے سلام کیا۔

میری بولی "آپ کے مزاج اچھے ہیں؟" مگر لاورا ایک لفظ بھی نہ بول سکی۔

دوکاندار نے پا اور ما سے کہا "یہ آپ کی بچی تو بڑی پیاری ہے۔" اس نے سنہرے اور گھنگریالے بالوں کی بھی تعریف کی۔ لیکن لاورا کے بارے میں وہ کچھ نہ بولا۔ نہ اس کے بالوں کے چھلوں کو سراہا۔ ویسے بھی وہ بھورے تھے اور ان میں چمک نہ تھی۔

دوکان سامان سے بھری نظر آتی تھی۔ اس کے ایک طرف الماریاں تھیں۔ جن میں رنگدار چھینٹیں اور سوتی کپڑوں کے تھان بھرے تھے۔ کسی کا رنگ گلابی تھا۔ کوئی نیلا اور سرخ کوئی بھورا اور ارغوانی تھا۔ فرش پر لکڑی کے کاؤنٹر کے پار کیلوں کے ڈبے گول بھوری گولیوں کے ڈبے اور قند سے بھرے لکڑی کے پیپے تھے۔ نمک اور چینی کے تھیلے علیحدہ لگے تھے۔

دوکان کے وسط میں لکڑی کا ایک چمکدار ٹل تھا جس میں جگمگاتی پیتل لگی ہوئی تھی۔ وہاں فولادی کلہاڑیاں، ہتھوڑے، آرے اور ہر قسم کے چاقو موجود تھے۔ شکاری چاقو بھی

لاورا کچھ نہ کہہ پائی۔ ہر ایک اس کی طرف تک رہا تھا۔ مگر اس کی آواز ہی نہیں نکلتی تھی۔ ماں کو آخر پوچھنا ہی پڑا "لاورا! تم کیا کہو گی"۔
تب لاورا کی زبان ہلی۔ اس نے منہ ہی منہ میں آہستہ سے کہا "آپ کا شکریہ"
اس کے بعد وہ لوگ دوکان سے باہر چلے گئے۔ قند کے دونوں ٹکڑے سفید رنگ کے تھے وہ چوڑے اور پتلے تھے اور دل کی شکل کے بنے ہوئے تھے۔ ان پر سرخ حرفوں میں کچھ چھپا تھا۔ ماں نے بچوں کو پڑھ کر سنایا۔ میری کے ٹکڑے پر لکھا تھا۔

گلاب سرخ - بنفشہ نیلا
شکر میٹھی - تم بھی ایسی۔

لاورا کے ٹکڑے پر صرف اتنا تھا "اچھوں کے لئے مٹھائیاں"۔
قند کے ٹکڑے سائز میں بالکل برابر تھے لیکن لاورا کے ٹکڑے پر میری کے مقابلہ میں چھپائی زیادہ تھی۔
وہ سب ریت سے گذر کر جھیل کے کنارے تک واپس آئے جہاں گاڑی کھڑی تھی۔ پانے گھوڑوں کو گاڑی کی بوری میں سے کچھ جئی ڈال کر کھلائی جو ان کے دوپہر کے کھانے کے لئے لائی گئی تھی۔ ماں نے توشہ دان کھولا۔
وہ سب کے سب گرم ریت پر گاڑی کے قریب ہی بیٹھ گئے۔ انھوں نے روٹی، مکھن، پنیر، اُبلے ہوئے انڈے اور کیوان کھائے۔ جھیل جیپن کی لہریں ان کے قدموں کو چھوتیں اور ہلکی سی سنسناہٹ کے ساتھ واپس ہو جاتیں۔
کھانے کے بعد تھوڑی دیر کے لئے پا کسی دوسرے آدمی سے بات کرنے پھر دوکان پر گئے۔ ماکیری کو لئے خاموش بیٹھی رہی۔ یہاں تک کہ وہ سو گئی۔ لیکن لاورا اور میری جھیل کے کنارے دوڑتی پھریں۔ انھوں نے خوبصورت کنکریاں چنیں جو لہروں کے ساتھ آگے پیچھے لڑھک لڑھک کر چکنی اور صاف ہو گئی تھیں۔ گھنے جنگل میں ایسی کنکریاں کہاں میسر تھیں۔
لاورا کو جب بھی کوئی کنکری بھاتی اسے فوراً جیب میں رکھ لیتی۔ وہاں ان کی

گئی تھی۔ ایک سے بڑھ کر ایک خوبصورت تھی۔ لاورا نے ان سے جیب بھر لی۔ تب پا نے آواز دی اور بچے گاڑی کی طرف دوڑے۔ اب گھوڑے جوت دیئے گئے تھے اور گھر کی واپسی کا وقت ہو گیا تھا۔

لاورا بڑی ہی خوش تھی جب وہ ریت پر دوڑتی اپنی جیب میں خوبصورت کنکریاں بھرے واپس ہوئی۔ لیکن جب پا نے اسے اٹھا کر گاڑی میں بٹھایا تو ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔

بوجھل کنکریوں نے لاورا کی جیب کو ہی پھاڑ کر الگ کر دیا تھا۔ جیب پھٹ کر گر پڑی اور کنکریاں گاڑی کی ہودی میں چاروں طرف بکھر گئیں۔

لاورا رو پڑی۔ اس کا بہترین لباس پھٹ گیا تھا۔

ما نے منی کیری کو پا کے حوالہ کیا اور جلدی سے پھٹی ہوئی جگہ دیکھنے کے لئے آگے بڑھی۔ تب اس نے کہا "سب ٹھیک ٹھاک ہے۔ لاورا! رو مت۔ میں اسے پھر لگا دوں گی۔"

اس نے لاورا کو دکھلایا کہ لباس بالکل نہیں پھٹا ہے اور نہ جیب ہی پھٹی ہے۔ جیب چھوٹی سی ایک تھیلی تھی جو دامن کی سیون میں سی دی گئی تھی۔ وہ اس سے لٹک رہی تھی۔ صرف سیون کے ٹانکے ٹوٹ گئے ہیں۔ ما جیب کو پھر ویسے ہی سی سکتی تھی۔ جیسے وہ بالکل نئی ہو۔

"یہ خوبصورت کنکریاں اٹھا لو لاورا!" ما پھر بولی "پھر اتنا لالچ نہ کرنا۔"

لاورا نے کنکریاں جمع کیں اور جیب میں ڈال کر اسے گود میں رکھ لیا۔ ما نے اس پر دھیان نہیں دیا کہ پا اس چھوٹی لڑکی کے ایسی لالچی ہونے پر ہنس رہے ہیں۔ اس نے اپنی بساط سے زیادہ کنکریاں اٹھالی تھیں۔

میری کو کبھی اس قسم کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔ وہ ایک بہت اچھی چھوٹی بچی ہے۔ ہمیشہ صاف ستھری رہتی ہے اور اچھے طور طریقوں کی پابندی کرتی ہے۔ میری کے بڑے پیارے سنہرے اور گھنگھریالے بال ہیں۔ اس کے قند کے ٹکڑے پر نظم لکھی ہوئی ہے۔

میری بہت اچھی اور باسلیقہ بچی ہے ہمیشہ صاف اور اجلی رہتی ہے۔
وہ لادرا کے ساتھ تختے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ لادرا کے خیال میں وہ اس قدر تعریف کی مستحق نہ تھی۔

اس کے باوجود اس کے خیال میں یہ دن بڑا ہی یادگار تھا۔ اس کی پوری زندگی میں نہایت ہی عجیب و غریب تھا۔ خوبصورت جھیل اور شہر کا منظر جو اس نے دیکھا اس کے نیا دل میں بسا تھا۔ وہ اس بڑی دوکان کی بابت بھی سوچتی تھی جو مختلف چیزوں سے بھری پڑی تھی۔ اس نے اپنی گود میں کنکریاں بڑی احتیاط سے سنبھالے رکھیں اس کا قند کا ٹکڑا ابھی اس کے رومال میں احتیاط سے لپٹا رہا۔ وہ چاہتی تھی کہ گھر پہنچ کر وہ اسے شیشے کی طرح رکھے گی۔ وہ اتنا اچھا تھا کہ کھانے کی بجائے دیکھتے ہی رہنے کو جی چاہتا تھا۔

گاڑی گھر کی طرف گھنٹوں ہچکولے کھاتی چلتی رہی۔
سورج غروب ہوگیا اور جنگلوں میں اندھیرا بڑھنے لگا لیکن شفق کا رنگ پھیلا پڑا تھا۔ چاند نکل آیا۔ اندھیرے کا کوئی ڈر نہ تھا۔ پا کے پاس بندوق تھی اور وہ سب محفوظ تھے۔

درختوں سے چاندنی چھن چھن کر آ رہی تھی۔ سامنے سڑک پر روشنی اور سایہ کے پیوند نظر آ رہے تھے۔ گھوڑوں کی ٹاپوں کی کھٹ کھٹ نے سماں باندھ دیا تھا۔
لادرا اور میری بہت تھک گئیں تھیں۔ وہ کچھ بھی بولنا نہیں چاہتی تھیں۔ ما خاموش تھی۔ ننی کیری اس کی گود میں تھی۔ صرف پا آہستہ آہستہ گا رہے تھے۔

محلوں کی فضا ہو یا کہ جنت کا سماں ہو
کتنے سے گر سچ ہیں گھر اپنا جہاں ہو

دسواں باب

موسمِ گرما

اب گرمی کا موسم آ گیا۔ لوگ سے ملنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ کبھی کبھی چچا ہنری یا چچا جارج یا گرانڈ پا گھوڑے پر سوار ہو کر گھنے جنگلوں سے گزر کر آپ سے ملنے کے لئے آ جاتے۔ ماں دروازہ پر آتی۔ سب کی خیر و عافیت دریافت کرتی اور کہتی "چارلس کھلیان کیسا ہے" معمول سے زیادہ کھاد ڈالی۔ اس میں وقت بھی کافی لگتا۔ پاپا اور مہمان کام پر جانے سے پیشتر بہت دیر تک بیٹھے باتیں کیا کرتے۔

کبھی ماں لاورا اور میری کو سڑک کے پار پہاڑ کے نیچے مسز پیٹرسن کے یہاں جانے کی اجازت دے دیتی۔

پیٹرسن کا گھرانہ یہاں تھوڑے دن پہلے آباد ہوا تھا۔ ان کا مکان نیا تھا اور بہت صاف ستھرا بنا تھا۔ مسز پیٹرسن کے چھوٹے بچے تو تھے نہیں کہ کھیڑا پھیلاتے۔ وہ سویڈن کی رہنے والی تھی۔ وہاں سے اپنے ساتھ لائی تھیں۔ رنگین بیل دار کپڑے، چینی کا سامان اور دوسری خوبصورت اشیاء لائی تھی۔ یہ سب چیزیں اس نے لاورا اور میری کو دکھائیں۔

مسز پیٹرسن ان سے سویڈن زبان میں بات کرتیں۔ مگر بچے ان سے انگریزی ہی بولتے۔ پھر بھی وہ ایک دوسرے کی زبان سمجھ لیتے تھے۔ جب لاورا اور میری رخصت ہوتیں تو وہ ہر ایک کو ایک ایک بسکٹ دیتیں۔ پھر وہ بچے گھر تک کترتے چلے آتے۔

لاورا اپنے حصہ میں سے ٹھیک آدھا کتر لیتی اور میری بھی بسکٹ کا دوسرا آدھا حصہ ننھی کیری کے لئے بچا لیتیں۔ جب وہ گھر پہنچتیں تو کیری کو دو آدھے آدھے بسکٹ مل جاتے اور اس طرح وہ پورا ایک بسکٹ ہو جاتا۔

ان کے خیال میں تقسیم ٹھیک نہ تھی۔ سب تو وہ چاہتی تھیں کہ ننھی کیری کا حصہ بھی برابر ہونا چاہئے اگر میری اپنے بسکٹ میں سے آدھا بچا کے اور لاورا اپنا حصہ پورا کھا لے یا لاورا آدھا

بچا دے اور میری اپنا پورا حصّہ کھا ئے تو یہ بھی کسی طرح ٹھیک نہ تھا۔

ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کریں لیکن وہ ہمیشہ یہ ضرور سوچتی تھیں کہ تقسیم ٹھیک نہیں ہو رہی ہے۔

کبھی پڑوس سے خبر آتی کہ وہ لوگ دن گذارنے ان کے یہاں آ رہے ہیں تو ا ّ بہت کچھ زیادہ ہی صفائی کرتیں اور کھانا پکاتیں۔ بازار کی شکر کا پیکٹ کھول لیا جاتا۔ مقررہ دن گاڑی صبح کے وقت دروازہ تک آتی اس میں سے نئے بچے ہوتے۔ لاورا اور میری کو ان کے ساتھ کھیلنے کا موقعہ مل جاتا۔

جب مسٹر اور مسز ہیولیٹ آئے تو ان کے ساتھ ایوا اور کلارنس بھی تھے۔ ایوا ایک خوبصورت بچی تھی۔ کالی آنکھیں اور کالے گھنگھریالے بال۔ بڑے سلیقہ سے کھیلتی اور لباس بھی صاف ستھرا رکھتی۔ وہ میری کو بہت پسند تھی۔ مگر لاورا کو کلارنس کے ساتھ کھیلنے میں مزہ آتا تھا۔

کلارنس کے بال سرخ تھے جسم کی کھال پر کہیں بھورے رنگ کے دھبے تھے۔ چہرہ بہت ہنس مکھ تھا۔ اس کے کپڑے بھی دیدہ زیب تھے۔ نیلے رنگ کا سوٹ پہنے ہوئے تھا جس پر سامنے کی طرف نیچے سے اوپر تک سنہرے چمکدار بٹن لگے تھے اور خوبصورت فیتے کا چار لڑکا تھا۔ وہ بوٹ پہنے ہوئے تھا جس کا پنجہ تانبے کا تھا۔

جوتے پر تانبے کی دھاریاں اتنی چمکدار تھیں کہ لاورا متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ لڑکیاں تانبہ لگا جوتا نہیں پہنتیں۔ کاش وہ لڑکا ہوتی۔

لاورا اور کلارنس۔ بھاگے۔ دوڑے۔ چیخے اور درختوں پر چڑھے۔ جبکہ میری اور ایوا نے سلیقہ سے مل جل کر بیٹھ کر بات چیت کی۔

ما اور مسز ہیولیٹ آپس میں باتیں۔ گوڈے کی لکھی ہوئی "لیڈیز بک" دیکھتی رہیں جو مسز ہیولیٹ اپنے ساتھ لائی تھیں۔ پا اور مسٹر ہیولیٹ نے گھوڑوں اور کھیتوں کا جائزہ لیا۔ انھوں نے سگار پیئے۔

ایک دن پھوپی لوٹی دن گزارنے کے لئے یہاں آئیں۔ اس دن صبح لاورا کو بڑی دیر تک

کھڑا رہنا پڑا تھا کیونکہ ماں نے اس کی چوٹی کھول کر اس میں کنگھی کی تھی اور چھلّے ڈالے تھے۔ میری تو تیار ہو کر اور بن ٹھن کر کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔ اس کے گھنگھریالے بال چمک رہے تھے۔ وہ نیا اور بھڑکدار چینی لباس پہنے ہوئے تھی۔

لاورا کو اپنا سرخ لباس بھی پسند تھا۔ لیکن ماں نے اس کے بال بری طرح سے کھینچ ڈالے تھے وہ سنہرے رنگ کی بجائے بھورے تھے۔ اس لئے کسی نے اس کی طرف توجہ نہ کی۔ ہر ایک نے میری کے بالوں کو ہی دیکھا اور انھیں کی تعریف کی۔

ماں نے آخر کہا "تمہارے بال خوبصورت گھنگھریالے ہو گئے ہیں اور پولی آ رہی ہیں دونوں دوڑ کر ان کے پاس جاؤ اور پوچھو کہ انھیں کون سے بال پسند ہیں۔ سنہرے یا گھنگھریالے!"

لاورا اور میری دوڑ کر دروازہ سے باہر نکل گئیں۔ پھوپی پولی دروازہ کے قریب ہی تھیں۔ پھوپی ایک بڑی لڑکی تھی۔ قد میری سے لمبا تھا۔ باتیں خوبصورت اور گلابی تھا۔ گلابی بیٹ ایک ڈوری سے بندھا تھا۔

"پھوپی! آپ کو سنہرے گھونگھریالے بال زیادہ پسند ہیں یا بھورے گھونگھریالے؟" میری نے پوچھا۔ ماں نے بچوں سے یہ پوچھنے کے لئے کہا تھا۔ میری ایک بڑی فرماں بردار بچی تھی۔ اسے جو کچھ کہا جاتا وہ فوراً اس کی تعمیل کرتی تھی۔

لاورا پھوپی کے جواب کی منتظر رہی۔ وہ کچھ رنجیدہ سی تھی۔

"مجھے دونوں پسند ہیں" پھوپی پولی نے ہنستے ہوئے کہا۔ اس نے اپنے ایک طرف لاورا کا ہاتھ پکڑا اور دوسری طرف میری کا۔ دونوں بچے ناچتے کودتے اس کے ساتھ دروازہ تک آئے جہاں ماں کھڑی تھی۔

سورج کی کرنیں کھڑکی کے اندر داخل ہو رہی تھیں۔ گھر کی ہر ایک چیز صاف اور ستھری تھی۔ ٹیبل پر سرخ کپڑا پڑا تھا کالی انگیٹھی صاف چمک رہی تھی۔ خوابگاہ کے دروازہ سے لاورا کو بڑے پلنگ کے نیچے اس کا کھٹولا نظر آ رہا تھا۔ نعمت خانہ کا دروازہ کھلا تھا۔ وہاں الماریوں میں رکھی ہوئی چیزیں نظر کے سامنے تھیں۔ خوشبوئیں اٹھ رہی تھیں۔ کالی سوسن جو ابھی کچھ دیر پہلے مسہری میں پڑی اونگھ رہی تھی ایک دم گھبرا کر چلی ہوئی زینہ میں آگئی۔

کتنا اچھا سماں تھا۔ لاورا تو اس قدر خوش اور کھلنڈری بنی ہوئی تھی کہ کسی کو یہ یقین نہ ہو سکتا تھا کہ وہ اس قدر شریر بھی ہو سکتی ہے جتنی اس شام تھی۔

پھوپی لوتی چلی گئی تھیں۔ لاورا اور میری دونوں تھکی ہاری تھیں۔ وہ لکڑیوں کے ڈھیر سے آیا۔ تو کرن پھپٹیاں اکٹھی کر رہی تھیں تا کہ صبح کو آگ جلانے میں مدد مل سکے۔ وہ ہمیشہ چھپٹیاں اکٹھا کرنے سے جان چراتی تھیں۔ اس کے باوجود انھیں یہ کام روزانہ ہی کرنا پڑتا تھا۔ آج کی رات تو یہ کام ہمیشہ سے زیادہ کٹھن معلوم دے رہا تھا۔

لاورا نے سب سے بڑی پھپٹی کھینچی تو میری بول اٹھی "مجھے تو پروا نہیں ہے پھوپی لوتی کو میرے بال سب سے زیادہ پسند ہیں۔ یہ تو مانی ہوئی بات ہے کہ سنہرے بال ہمیشہ بھورے بالوں سے بہتر اور حسین ہوتے ہیں۔"

لاورا کا گلا بھر آیا۔ وہ بول نہ سکی۔ یہ وہ بھی سمجھتی تھی کہ بھورے کے مقابلہ میں سنہرے بال کہیں اچھے ہوتے ہیں۔ وہ بولی تو کچھ نہیں مگر اس نے جھپٹ کر میری کے ایک طمانچہ رسید کر دیا۔

جبھی پا کو اس نے کہتے سُنا "لاورا۔ یہاں آؤ"

وہ پاؤں گھسیٹتے ہوئے آہستہ آہستہ سرکی۔ پا دروازہ ہی میں بیٹھے تھے۔ انھوں نے لاورا کی یہ شرارت دیکھ لی تھی کہ اس نے میری کے طمانچہ مارا ہے۔

"تمھیں یاد ہے" پا بولے "میں کتنی بار کہہ چکا ہوں کہ تم بچیوں کو کبھی ایک دوسرے کو نہیں مارنا چاہیئے۔"

لاورا بولی "لیکن میری نے کہا تھا۔ ۔ ۔"

"اس سے کیا ہوتا ہے" پا بولے۔ "میں جو کہتا ہوں اس پر دھیان دینا چاہیئے۔"

پھر انھوں نے دیوار سے اپنا تسمہ اتارا اور لاورا کو سزا دی

لاورا ایک کونہ میں کرسی پر بیٹھی سسکیاں لے رہی تھی جب وہ بند ہوئیں تو وہ دکھ کر بیٹھ گئی دنیا میں اس کے لئے اگر اس وقت کوئی اطمینان کی بات تھی تو بس یہ تھی کہ میری کو چھپٹیوں کی ٹوکری تن تنہا بھرنی پڑ رہی تھی۔

شام کا جب اندھیرا زیادہ ہوا تو پھر بولے "لادرا یہاں آؤ" آواز میں پیار تھا۔ اور جب وہ آئی تو انھوں نے اسے اپنے گھٹنوں پر بٹھا لیا اور چھاتی سے لگا لیا۔ وہ ان کے آغوش میں ان کی چھاتی سے سر لگائے تھی۔ ان کی لمبی داڑھی کے بالوں نے اس کی آنکھوں کو کسی قدر ڈھک دیا تھا۔ اب سب ٹھیک ٹھاک ہو گیا۔

اس نے بابا سے سب ماجرا کہا اور دریافت کیا "آپ کو تو بھورے بالوں کے مقابلہ میں سنہرے بال زیادہ اچھے نہیں لگتے؟" جواب کا انتظار کیے بغیر ہی اس نے کہا "کیا اچھے لگتے ہیں؟"

بابا نے اپنی نیلی آنکھوں سے اس کی طرف پیار سے دیکھا اور کہا "دیکھو لادرا! میرے بال بھی تو بھورے ہی ہیں" اسے تو کبھی اس بات کا خیال نہ آیا تھا کہ بابا کے بال بھورے ہیں اور داڑھی بھی بھوری ہے۔ اس نے سوچا کہ بھورا رنگ یقیناً اچھا ہے لیکن اسے تو تسلی اس بات سے ملی کہ میری بابا کو ساری چھٹیاں جمع کرنی پڑیں۔

گرمیوں کی شام بانسریاں بجاتے ہیں اور ونہی پر ڈائین بجاتے ہیں۔ گرمیوں کے دن بڑے ہوتے ہیں اور کھیت میں دن بھر کام کرنے سے وہ تھک کر چور ہو جاتے ہیں۔

ماں بھی مصروف تھی۔ لادرا اور میری نے باغیچے کے خس و خاشاک کو صاف کرنے میں ماں کی مدد کی۔ مرغیوں اور بکریوں کے دانہ پانی کرنے میں بھی ان کا ہاتھ بٹایا۔ وہ انڈے جمع کرنے اور پنیر تیار کرنے میں بھی امداد کرتی رہتیں۔

جب سینگوں میں گھاس بڑا اور گھنا ہوتا تھا تو گائیں خوب دودھ دیتی تھیں۔ یہ وقت پنیر تیار کرنے کا تھا

بچھڑا ذبح کرنا چاہیے کیونکہ بغیر جامن کے پنیر نہیں بن سکتا اور جامن نو عمر بچھڑے کے معدہ کا استر ہوتا ہے۔ بچھڑا بالکل نو عمر ہونا چاہیے جس نے سوائے دودھ کے کچھ کھایا پیا نہ ہو۔

لادرا کو ڈر تھا کہ بابا کھلیان میں کسی نہ کسی بچھڑے کو ضرور ذبح کریں گے۔ وہ بڑے معصوم تھے۔ ایک کا رنگ تو ہرن کا سا تھا اور ایک کا سرخ۔ ان کے بال بڑے نرم اور آنکھیں

نہایت حسین تھیں جب ما نے پنیر بنانے کی بات کی تو لاورا کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

پا ان میں سے کسی کو ذبح کرنا نہ چاہتے تھے کیونکہ وہ بچھڑیاں تھیں اور جلدی بڑی ہوکر گائیں بن جانے والی تھیں۔ وہ گرانڈپا اور چچا ہنری کے یہاں پنیر بنانے کے معاملہ میں بات چیت کرنے گئے۔ چنانچہ چچا ہنری اپنا بچھڑا ذبح کرنے پر تیار ہو گئے اس میں سے چچی پولی، گرانڈما اور ما کے لئے کافی مایادان نکل آئے گا۔

چنانچہ پا چچا ہنری کے یہاں پھر ایک دن گئے اور بچھڑے کی اوجھڑی کا ایک ٹکڑا لیکر واپس ہوئے وہ

بھورا مائل سفید چمڑے کا ایک نرم ٹکڑا تھا۔ ایک طرف سے کھردرا اور سخت۔

جب گائیں رات کو دودھ دیتیں تو ما کشتی میں رکھ دیتیں۔ اور صبح کے وقت مکھن بنانے کے لئے وہ بالائی اتار لیتیں۔ پھر جب صبح کا دودھ ٹھنڈا ہو جاتا تو وہ بالائی اترے دودھ کے ساتھ اسے ملا دیتیں اور گرم کرنے کے لئے چولھے پر رکھ دیتیں۔

مایادان کا ایک ٹکڑا کپڑے میں بندھا گرم پانی میں بھیگ رہا تھا۔

جب دودھ کافی گرم ہو گیا تو ما نے مایادان کے کپڑے کا ایک ایک قطرہ نچوڑ لیا اور وہ پانی دودھ میں ڈال دیا۔ اسے خوب ہلا کر گرم جگہ میں انگیٹھی کے پاس رکھ دیا۔ وہ تھوڑی دیر میں جم کر گاڑھی چربی جیسا چکنا ہو گیا۔

ما نے ایک بڑے چاقو سے اس مادے کو چھوٹے مربعوں کی شکل میں کاٹ لیا۔

اس طرح دہی چھاچھ سے الگ ہو گئی۔ تب انھوں نے کپڑے میں چھان کر پہلی چھاچھ جدا کر لی۔

جب کپڑے میں چھاچھ ٹپکنا بند ہو جاتی تو ما دہی کو ایک برتن میں نکال لیتیں۔ اور اس میں نمک ملا کر اچھی طرح سے ہلا دیتیں۔

لاورا اور میری ہمیشہ امداد کے لئے موجود رہتیں۔ جب ما اس میں نمک ملا لیتیں تو انھیں دہی کے ٹکڑے کھانے میں مزہ آتا مگر ان کے دانت ٹھیک سے نہ لگتے۔

پچھلے دروازہ کے باہر چیری کے درخت کے نیچے پا نے ایک تختہ پنیر کو دبانے کے لئے رکھ دیا تھا۔ لمبائی میں اس پر دو نالیاں بنائی تھیں یہ تختہ دو ستونوں پر رکھا تھا۔ ایک ستون

دوسرے کے مقابلہ میں کچھ اونچا تھا۔ نچلے حصہ کی طرف ایک خالی پیپہ رکھدیا تھا۔
نانی نے پنیر ڈالا کر ہی کا طشت تخت پر رکھدیا۔ اندر ایک صاف گیلا کپڑا بچھا کر نمکین دہی کے تمام ٹکڑے اس میں بھر دیئے۔ اوپر سے ایک اور گیلا اور صاف کپڑا ڈال دیا۔ اس کے اوپر ایک چھوٹا گول تختہ جو پنیر کے طشت میں سما سکے رکھدیا۔ پھر اس کے اوپر ایک بھاری پتھر رکھدیا۔
تمام دن گول تختہ پتھر کے وزن سے نیچے کو بیٹھتا رہا۔ اور چھاچھ دب کر باہر نکلتی رہی جو تختہ کی نالیوں کے ذریعہ نیچے رکھے خالی پیپہ میں جا گری۔
اس طرح اگلی صبح پھیکی زرد پنیر کا ٹکڑا دودھ کے برتن کے برابر آ کر گول جاتا۔ پھر ما اور زیادہ دہی بناتی اور پنیر کے طشت کو پھر بھر لیتی۔
ہر روز صبح ہی اس دبے ہوئے تازہ پنیر کو تراش خراش کر کے ٹھیک کر لیا جاتا۔
انھوں نے ایک کپڑا اس ٹکڑے کے آس پاس مضبوطی سے سی دیا اور اس پر تازہ مکھن چپڑ کر اسے نعمت خانہ کی الماری میں رکھدیا۔
وہ روزانہ گیلے کپڑے کے ذریعہ نہایت ہوشیاری سے تمام پنیر پونچھ لیتیں۔ اس پر ایک بار پھر تازہ مکھن مل دیتیں اور اسے دوسری طرف سے الٹ کر رکھدیتیں۔
کچھ دنوں میں پنیر پک جاتا۔ اس کے اوپر سخت پپڑی سی آ جاتی۔
پھر ما پنیر کے ہر ٹکڑے کو کاغذ میں لپیٹ کر اونچی الماری میں رکھدیتیں۔ اب یہ بخوبی کھانے کے کام میں لایا جا سکتا تھا۔
لاورا اور میری کو پنیر بنانا پسند تھا۔ وہ دہی کھانا بھی پسند کرتیں جس سے ان کے دانت کچکچا جاتے۔ اور ما جب پنیر پر کپڑا سینے کے لئے اس کو چکنا اور گول کرتیں تو اس کی چھیلن کھانے میں بھی ان کو بہت مزہ آتا۔
ما ان کو کچا پنیر کھاتے دیکھ کر ہنستی اور ان سے کہتی "لوگ کہتے ہیں کہ چاند کچے پنیر کا بنا ہوا ہے۔"
نیا پنیر واقعی گول چاند کی طرح نظر آتا تھا جو درختوں سے اوپر اٹھ رہا ہو۔ مگر وہ ہرا نہیں تھا۔ چاند کی طرح پیلا ضرور تھا۔

"وہ بڑا ضرور ہے" ما بولی "کیونکہ وہ ابھی پکا نہیں ہے لیکن جب وہ تیار ہو جائے اور پختگی آجائے تو پھر وہ بڑا پنیر کہلائے گا۔"

"کیا چاند واقعی کچے پنیر کا بنا ہوا ہے؟" لاورا نے پوچھا۔

آ کو ہنسی آگئی "میرے خیال میں لوگ اس وجہ سے ایسا کہتے ہیں کہ وہ کچے پنیر کی طرح نظر آتا ہے۔" انھوں نے جواب دیا "لیکن ظاہری شکل دھوکہ دینے والی ہوتی ہے۔" کچے پنیر کو پوپٹتے ہوئے اور مکھن چھڑتے ہوئے انھوں نے بچوں کو ٹھنڈے اور بے جان چاند کے بارے میں بتایا "وہ ایک چھوٹی دنیا جیسا ہے جہاں کچھ بھی نہیں اگتا۔"

پہلے دن جب ما نے پنیر بنایا تو لاورا نے چھاچھ کو چکھا تھا اس نے چھاچھ چکھ کر ما سے کچھ نہیں کہا۔ جب ما کا دھیان گیا اور اس کے چہرہ پر نظر پڑی تو ما کو ہنسی آگئی۔ رات کو جب وہ آخری کھانے کے برتن دھو رہی تھی۔ اور لاورا اور میری انھیں پونچھ کر خشک کر رہی تھیں۔ اس وقت ما نے پا کو بتایا کہ لاورا کو چھاچھ پسند نہیں آئی۔

پا نے کہا "تم ما کی بنائی ہوئی چھاچھ پی کر اس طرح بھوکی نہیں مر سکتی جیسے بڈھا گریم اپنی بیوی کی چھاچھ پی کر مر گیا تھا۔"

اس پر لاورا نے بوڑھے گریم کی کہانی سننے کے لئے پا سے فرمائش کی۔ پا اگرچہ تھک چکے تھے مگر انھوں نے بکس سے وائلین نکالا اور لاورا کے لئے بجانا شروع کر دیا۔

گاتا ہے:

ہائے افسوس ہو گیا اوجھل۔
نیک سیرت بہت تھا بوڑھا گریم۔
وہ پہنتا تھا اک بڑا سا کوٹ
پورے بٹنوں کی سامنے تھی ٹیم
جب بلوتی تھی اس کی بیوی دودھ
چھاچھ پیتا تھا وہ بغیر کریم
ہو گیا تھا وہ اس قدر کمزور
لے اڑی اس کو گرد باد نسیم

"اب تم سمجھ گئیں؟" پا نے کہا۔ "وہ ایک کتنی بخیل عورت تھی۔ اگر وہ دودھ کی ساری
بالائی نہ اتارتی اور تھوڑی بالائی چھاچھ میں آ جاتی تو بوڑھے گریم کی زندگی کچھ اور بھی ہو جاتی۔"
"لیکن اس نے تو سب ہی بالائی اتار لی اور بوڑھا گریم اتنا دبلا ہو گیا کہ وہ ہوا میں اڑ گیا
اور وہ بیچارہ بھوکا مر گیا۔"

پا نے ما کی طرف دیکھ کر کہا "کارلین! اگر تم پاس ہو تو پھر کوئی بھوکا نہیں مر سکتا۔"
"جی ہاں۔ نہیں مر سکتا۔" ما نے کہا۔ "نہیں مر سکتا۔ چارلس! اگر تمھارا سایہ ہم پر ہے۔"
پا بہت محظوظ ہوئے۔ فضا خوشگوار تھی۔ گرمی کی شام خوشگوار تھی اور ہوا ٹھنڈی اور کھڑکیاں کھلی تھیں۔ ما برتن
دھو رہی تھی۔ لاورا اور میری انھیں صاف کر رہی تھیں۔ برتنوں کی کھنکھناہٹ میں پا نے اپنا
وائلین ایک طرف رکھ دیا۔ وہ دھیمی آواز میں آپ ہی آپ سیٹی بجا رہے تھے اور گنگنا رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد انھوں نے کہا "کارلین! میں کل صبح ہنری کے یہاں جا رہا ہوں۔ ان سے
کدال مانگ کر لاؤں گا۔ گیہوں کے کھیت میں ٹھنٹھوں کے آس پاس گھر گھر شاخیں نکل آئی ہیں
آدمی کو اس کا ہر وقت دھیان رکھنا چاہیئے ورنہ جنگل پھر جگہ گھیر لے گا۔"

اگلی صبح سویرے ہی وہ چچا ہنری کے مکان کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ لیکن کچھ ذرا
دیر بعد تیزی سے واپس ہو گئے۔ گاڑی میں گھوڑوں کو جوتا۔ کلہاڑی۔ نا ند یپ۔ کپڑے دھونے
کے بڑے برتن۔ دیگچے۔ لکڑی کی بالٹیاں جو کچھ بھی تھا انھیں گاڑی میں ڈالا اور بولے۔
"کارلین! میرے خیال میں مجھے ان سب کی ضرورت تو پیش نہ آئے گی۔ لیکن اگر کہیں
ضرورت پیش آ گئی تو ان کا نہ ہونا بھی بہت اکھرے گا۔"

"بتاؤ! کیا ہے۔ کیا ہے؟" لاورا کودتی پھاندتی آئی اور پوچھنے لگی۔
"پا نے ایک درخت پر شہد کا چھتہ دیکھا ہے۔" ما نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ کچھ شہد
ہمارے ہاتھ بھی آ جائے۔"

دوپہر کا وقت تھا۔ پا گاڑی ہانکتے ہوئے آئے۔ لاورا کی نظریں پہلے ہی سے لگی ہوئی
تھیں۔ جیسے ہی گاڑی کھلیان میں رکی، لاورا دوڑ کر پہنچی۔ لیکن اس کا قد چھوٹا تھا وہ
گاڑی کے اندر دیکھ نہیں سکتی تھی۔

آپ نے آواز دی: "کارولین! ذرا یہ شہد کے برتن سنبھالنا۔ میں گھوڑے کھول دوں۔" اگاڑی کے قریب آ گئی۔ وہ کسی قدر بیزار تھی۔ اس نے کہا

"واو چارلس! شہد کا ایک پیسہ بھی کچھ کم نہیں ہے۔" پھر انھوں نے گاڑی میں دیکھا تو خوشی سے: "تم دوہرا ہو گئے۔" پا یہ دیکھ کر ہنس پڑے۔

سارے پیپے اور بالٹیاں سنہرے شہد کے ٹپکتے ہوئے چھتوں سے بھری تھیں۔ شہد سے پیپے لبالب تھے۔

پا اور ماں آگے پیچھے دونوں ٹب، پیپے، بالٹیاں اور پیپ لیے ہوئے گھر میں داخل ہوئے۔ ماں نے ایک بڑے تھال میں سنہرے اور بڑے بڑے ٹکڑوں کا ڈھیر لگا دیا۔ اور بقیہ سب کو صاف کپڑے سے ڈھک دیا۔

ڈنر میں جس قدر شہد کھایا جا سکتا تھا سب نے کھایا۔ پا نے انہیں یہ بتلایا کہ شہد کے چھتوں کا درخت انھیں کیسے ملا۔

انھوں نے کہا "بندوق ساتھ نہ تھی۔ شکار کا ارادہ نہ تھا۔ گرمیوں کے زمانہ میں کوئی خاص خطرہ بھی نہیں ہوتا۔ ریچھ اور چیتے اس موسم میں بڑے موٹے تازہ ہوتے ہیں اس لئے سست اور نرم مزاج بن جاتے ہیں۔ وہ چڑچڑے اور خونخوار نہیں ہوتے۔

"میں نے جنگل میں سے ایک نزدیک کا راستہ اختیار کیا تھا۔ وہیں ایک ریچھ سے آمنا سامنا ہو گیا۔ جب میں ایک جھاڑ کے جھنڈ کے پاس سے گزرا تو وہ وہیں کھڑا تھا۔ میرے اور اس کے درمیان صرف اس کمرہ جتنا فاصلہ تھا۔

"اس نے میرا جائزہ لیا۔ میرا خیال ہے کہ اس نے یہ ضرور دیکھا کہ میرے پاس بندوق نہیں ہے۔ کچھ بھی ہو اس نے پھر میری طرف دھیان نہیں دیا۔

"وہ ایک بڑے درخت کی جڑ سے لگا کھڑا تھا۔ شہد کی مکھیاں اس کے چاروں طرف بھنبھنا رہی تھیں۔ وہ اس کے بڑے بالوں میں سے ڈنک نہیں مار سکتی تھیں۔ وہ اپنے پنجوں سے سر پر بیٹھی مکھیوں کو اڑا رہا تھا۔

"میں اسے کھڑا دیکھتا رہا۔ اس نے اپنا دوسرا پنجہ درخت کے ایک سوراخ میں ڈال دیا۔

جب اس نے اسے باہر نکالا تو اس میں سے شہد ٹپک رہا تھا۔ شہد چاٹ کر پھر چھتہ سوراخ میں ڈال دیا۔ لیکن اس وقت میرے پاس تو ایک ڈنڈا لگ گیا۔ مجھے شہد کی خود ہی ضرورت تھی۔

"مجھے ایک ترکیب سوجھی۔ میں نے درخت پر ڈنڈا مار کر ہو ہا کر کے بڑا شور مچایا۔ ریچھ کافی موٹا تھا اور اس کا پیٹ شہد سے بھر چکا تھا۔ شور سن کر وہ فوراً اپنے چاروں پیروں پر کھڑا ہو گیا اور دوڑ کر درختوں میں گھس گیا۔ میں نے کچھ دور تک تو اس کا پیچھا کیا۔ وہ تیزی سے دوڑتا رہا۔ جب وہ شہد والے درخت سے کافی دور چلا گیا تو میں گاڑی لانے کے لئے واپس چلا آیا۔

لاورا نے پوچھا "آپ نے مکھیوں سے شہد کیسے حاصل کیا؟"

"یہ تو آسان کام تھا" پا بولے۔ "میں نے گھوڑوں کو دور جنگل میں چھوڑا تاکہ وہ شہد کی مکھیوں سے محفوظ رہ سکیں۔ پھر میں نے درخت کو کاٹ کر اس کا منہ کھول دیا۔"

"آپ کو مکھیوں نے نہیں کاٹا؟"

"نہیں،" پا نے جواب دیا۔ "مکھیاں مجھے نہیں کاٹتیں۔

"پورا درخت کھوکھلا تھا اور سارا کا سارا شہد سے بھرا تھا۔ مکھیاں سالہا سال سے وہاں شہد جمع کر رہی تھیں۔ اس میں کچھ شہد پرانا اور کالے رنگ کا تھا۔ مگر میرے خیال میں میں نے تو اچھا اور صاف شہد ہی لیا ہے۔ جو عرصہ تک چلے گا۔

لاورا کو غریب مکھیوں پر ترس آگیا۔ اس نے کہا "انھوں نے اتنی محنت کی اور ان کے پاس ذرا بھی شہد نہیں رہا۔"

لیکن پا نے کہا کہ "ان کے پاس اب بھی کافی شہد ہے۔ اسی درخت کے پاس ایک اور کھوکھلا درخت ہے جس میں وہ جا کر رہ سکیں گی۔" انھوں نے کہا کہ اتنا وقت ہے کہ وہ دوسرا عمدہ اور صاف گھر بسا لیں۔

"جو پرانا شہد اس درخت میں باقی ہے اسے میکر وہ نئے گھر میں چلی جائیں گی اور اس سے نیا اور تازہ شہد تیار کر لینگی۔ گرے ہوئے شہد کا ایک ایک قطرہ اٹھا لینگی اور محفوظ کر دینگی سردی آتے آتے وہ پھر کافی شہد جمع کر لیں گی۔"

گیارھواں باب

فصل کاٹنے کی موسم

پا اور چچا ہنری ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے۔ کھیتوں میں جب فصل پک گئی تو چچا ہنری پا کا ہاتھ بٹانے آ گئے۔ چچی پولی اور سب چچیرے بھائی بھی دن گذارنے آئے۔ پھر پا چچا ہنری کی فصل کٹوانے گئے۔ ما، میری، لارا اور کیری بھی ان کے ساتھ چچی پولی کے یہاں دن گزارنے گئیں۔

ما اور چچی پولی گھر میں کام کرتیں۔ سب بھائی بہن کھانے کے وقت تک احاطہ میں کھیلتے۔ چچی پولی کے احاطہ میں کھیلنے کی بڑی اچھی جگہ تھی۔ اس میں بڑے موٹے موٹے ٹھنڈ تھے۔ یہ بھائی بہن ایک ٹھنڈ سے دوسرے ٹھنڈ پر زمین کو چھوئے بغیر کودتے پھاندتے۔

لارا جو سب سے چھوٹی تھی وہ بھی آسانی سے ایسی جگہ کود سکتی تھی جہاں چھوٹے چھوٹے درخت آس پاس اُگے ہوں۔ یہاں سب سے بڑا لڑکا تھا کزن پیٹر دس سال کا۔ پورے احاطہ میں ایک ٹھنڈ سے دوسرے ٹھنڈ پر کود جاتا تھا۔ چھوٹے ٹھنڈ تو ایک ساتھ دو دو پھاندتا تھا۔ وہ چار دیواری کی فصیل پر بغیر جھجک کے بھاگتا پھرتا تھا۔

پا اور چچا ہنری کھیت میں کام کر رہے تھے۔ کریڈل سے جئی کاٹ رہے تھے۔ کریڈل فولاد کا بنا ہوا ایک تیز پھل ہوتا ہے جو لکڑی کی پتیوں کے ڈھانچے سے بندھا ہوا ہوتا ہے۔ جب اسے کھیت میں چلاتے ہیں تو اس میں اناج کے ڈنٹھل پھنس جاتے ہیں۔ پا اور چچا ہنری کریڈل کے مڑے ہوئے ہینڈل ہاتھ میں لئے تھے۔ اس کے پھل کو کھڑی جئی میں چلاتے تھے۔ جب وہ ایک ڈھیر کے قریب کاٹ لیتے تو لکڑی کی پتیوں سے ڈنٹھل سرکا کر زمین پر ڈھیر لگا دیتے۔

یہ کام سخت تھا۔ گرم دھوپ میں تمام دن کھیت کا چکر لگانا، پھر دونوں ہاتھوں سے بھاری کریڈل اناج لیے گھسیٹنا۔ اسے کاٹنا اور پولے بنانا کوئی آسان کام نہ تھا۔

جب کٹائی پوری ہو جاتی تو انھیں کھیت میں پھر جانا پڑتا۔ اس بار انھیں سیر پولے

جھکنا پڑتا۔ تھوڑی سی ڈنڈیاں دونوں ہاتھوں میں لیکر انھیں ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ کر پولے بناتے پھر اناج کے پولوں کو اپنے بازوؤں میں جمع کر کے انھیں مضبوطی سے اس رسی میں باندھتے جو انھوں نے بٹی تھی۔ پھر اس میں گرہ لگا دیتے۔

ایسے سات پولے بنانے کے بعد انھیں ترتیب دی جاتی۔ ترتیب دینے کے لئے وہ پانچ پولے سیدھے کھڑے کرتے اس طرح کہ جئی کی بالیں اوپر رہیں۔ ان کے اوپر دو پولے پھیلا کر چھوٹی سی چھت بنا دیتے تاکہ پانچ پولوں کو کہر اور بارش سے بچایا جا سکے۔

کٹے ہوئے اناج کی ہر ڈنڈی کو رات ہونے سے پیشتر ہی کھیتوں میں لگا دینا چاہیئے۔ اگر ایسا نہ ہو تو زمین پر پڑے رہنے سے وہ سب اوس کی وجہ سے خراب ہو جائیں گی۔

پا اور چچا ہنری بڑی محنت سے کام کر رہے تھے چونکہ موسم گرما جلد ختم ہو رہا تھا۔ ان حالات میں بارش کا احتمال تھا۔ جئی پک چکی تھی۔ اگر بارش سے پہلے نہ کاٹی جاتی اور کھیتوں میں جمع نہ کی جاتی تو فصل برباد ہو جاتی اور چچا ہنری کے گھوڑے تمام سردی بھوکے مرتے۔

دوپہر میں پا اور چچا ہنری جلدی جلدی گھر آتے اور جو کچھ ہوتا کھا جاتے۔

چچی ہنری نے کہا کہ اس دوپہر میں کم از کم چارلی کو تو ضرور مدد کرنی چاہیئے۔

چچا ہنری کی [illegible] ان کی طرف [illegible] ایک دن گھر پر آئے پا کہہ [illegible] چچا ہنری اور چچی پولی نے چارلی کو بگاڑ دیا ہے۔ پا جب گیارہ برس کے تھے تو وہ روزانہ کھیت میں اچھا خاصا کام کر لیا کرتے تھے۔ گھوڑوں وغیرہ کو بھی چرا لیتے تھے۔

لیکن چارلی تو مشکل ہی سے کوئی کام کرتا تھا۔

چچا ہنری نے زور دیا کہ چارلی کا کھیت میں آنا ضروری ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی وجہ سے ان کا کچھ وقت بچ جائے۔ وہ چشمے سے پانی بھی لا سکتا ہے۔ پیاس لگے تو پانی کا جگ لا کر دے سکتا ہے۔ جب ہنسیا کو تیز کرنے کی ضرورت پیش آئے تو تیز دھار بنانے والا پتھر بھی اٹھا کر لا سکتا ہے۔

سب بچوں نے چارلی کی طرف دیکھا۔ چارلی کھیت پر جانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ گھر پر رہ کر کھیلنا چاہتا تھا۔ مگر اس نے یہ ظاہر نہیں کیا۔

پا اور چچا ہنری نے بالکل آرام نہیں کیا۔ جلدی جلدی کھانا کھایا اور کام پر واپس چلے گئے۔ چارلی کو بھی ساتھ لیتے گئے۔

میری بچوں میں سب سے بڑی تھی۔ وہ عورتوں کی طرح سنجیدہ کھیل کھیلنا چاہتی تھی دوپہر کے وقت سب بھائی بہنوں نے احاطہ کو کھیل کا میدان بنا لیا۔ ٹھنڈوں کو کرسی، میز اور انگیٹھی قرار دیا۔ پتوں کی رکابیاں اور تنکوں کے چمچے بنائے۔

پا جب رات کو گھر لوٹے تو انھوں نے ما کو کھیت کی روداد سنائی۔

چارلی نے پا اور چچا ہنری کی مدد کرنے کے بجائے الٹے کام بگاڑے تھے۔ اور تکلیف ان کو پہونچاتا رہا تھا۔ جب کریڈل چلتا تو وہ بیچ میں آجاتا۔ کبھی پھلوں کو تیز کرنے کا پتھر چھپا دیتا۔ اس کی ضرورت پیش آتی تو ڈھونڈتے پھرتے۔ پانی کا جگ بھی اس وقت تک اٹھا کر نہ لاتا جب تک چچا ہنری اس پر کئی مرتبہ نہ چیختے۔ پھر وہ روٹھ کر بیٹھ جاتا۔

اس کے بعد وہ پیچھے لگا رہا اور بات بات پر سوالات کرنے لگا۔ وہ خود ہی مصروف تھے آخرکار انھوں نے تنگ آکر اسے کہہ دیا کہ وہ چلا جائے اور انھیں پریشان نہ کرے۔

لیکن جب انھوں نے اس کی چیخوں کی آواز سنی تو کریڈل پھینک دیے اور کھیت کے اس پار دوڑے۔ کھیت کے اس پار جنگل تھا اور جئی کے کھیت میں سانپوں کا بھی ڈر تھا۔

جب وہ چارلی کے پاس پہونچے تو کوئی بات نہ تھی۔ وہ ہنستے ہوئے بولا۔

"میں نے تو اس وقت تمہیں ویسے ہی بنایا تھا!"

پا کہہ رہے تھے کہ اگر وہ چچا ہنری کی جگہ ہوتے تو اسی وقت اس کی کھال کھینچ دیتے۔ مگر چچا ہنری نے ایسا نہیں کیا۔ پانی پیا اور کام میں لگ گئے۔

تین بار چارلی نے شور مچایا۔ ہر بار وہ لوگ تیزی سے دوڑ کر اس کے پاس گئے۔ اور اس نے اسی طرح مذاق کیا۔ اس پر بھی چچا ہنری نے اس کو پیٹا نہیں۔

پھر چوتھی بار وہ چیخا چلایا۔ پہلے سے بھی زیادہ۔ پا اور چچا ہنری نے اس کی طرف دیکھا تو وہ تلملا رہا تھا اور چیخ رہا تھا۔ مگر وہ کئی بار بیوقوف بن چکے تھے اور بظاہر کوئی تکلیف نظر نہیں آتی تھی اس لئے وہ اپنے کام میں لگے رہے۔

چارلی دردناک آواز میں چیختا رہا۔ پاپا تو کچھ بولے نہیں لیکن چچا ہنری بولے "چیخنے دو۔"
وہ اپنے کام میں لگے رہے اور وہ شور مچاتا رہا۔

جب وہ چپ ہی نہ ہوا اور مسلسل شور مچاتا رہا تو چچا ہنری بولے "دیکھ تو لیں۔ کوئی بات ضرور ہے۔" انہوں نے اپنے کدال پھینکے اور تیت کے پاس پہنچے۔

اس تمام عرصہ چارلی بھڑوں کے چھتہ پر ناچتا رہا تھا۔ زمین پر بھڑوں کا چھتہ بنا ہوا تھا۔ چارلی کا پاؤں غلطی سے اس پر پڑ گیا۔ پھر کیا تھا بھڑوں کے جھنڈ کے جھنڈ اسے لپٹ گئے اور اس کو اپنے سرخ اور تیز ڈنکوں سے ایسا کاٹ کھایا کہ وہ وہاں سے ہل بھی نہ سکا۔

وہ نیچے اوپر اچھل رہا تھا۔ سینکڑوں بھڑیں لپٹی ہوئی تھیں۔ وہ پینٹ کی موریوں اور کپڑوں میں گھس گئیں اور ٹانگوں اور گردن کے حصوں پر کاٹ کھایا۔

جتنا جتنا وہ چیختا تھا اتنا ہی اسے وہ اور کاٹتی تھیں۔

پاپا اور چچا ہنری نے اس کو بازو پکڑ کر کھینچا اور چھتہ سے دور لے کر بھاگے۔ انہوں نے اس کے کپڑے اتارے۔ بھڑیں بدن پر چمٹی ہوئی تھیں۔ تمام بدن ڈنک مار مار کر سجا دیا تھا۔ انہوں نے کاٹتی ہوئی بھڑوں کو مارا۔ کپڑے جھٹکے اور پھر کپڑے پہنا کر گھر لے آئے۔

لاورا، میری اور دوسرے بھائی بہن احاطہ میں خاموشی سے کھیل رہے تھے۔ انہوں نے زور سے بلبلانے کی آواز سنی۔

چارلی روتا کراہتا احاطہ میں داخل ہوا۔ اس کا چہرہ اس قدر سوج گیا تھا کہ آنکھوں سے آنسو بمشکل نکل سکتے تھے۔

اس کے ہاتھ پھول گئے تھے۔ گردن سوجی ہوئی تھی۔ گال موٹے اور تنے ہوئے تھے۔ انگلیاں موٹی گدا ہوگئی تھیں۔ سوجے ہوئے چہرہ اور گردن کی کھال پر ڈنکوں کے نشانات ابھرے ہوئے تھے۔

لاورا، میری اور سب بھائی بہن اس کی یہ حالت دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔

ما اور چچی پولی گھر میں سے دوڑی ہوئی آئیں اور پوچھا کہ کیا ہوا۔ چارلی بلبلا کر رو دیا۔ پاپا نے کہا کہ اسے تو بھڑوں نے کاٹ کھایا ہے۔ وہ باغ میں دوڑی گئیں اور مٹی

کا ایک طاس بھر لائیں۔ چچی پولی نے گھر میں لا کر اس کے سب کپڑے اتارے۔
انھوں نے مٹی کا گارا بنایا اور تمام جسم پر اس کا پلستر چڑھا دیا۔ اس کے بعد ایک پرانی چادر
میں لپیٹ کر بستر پر لٹا دیا۔ اس کی آنکھیں سوج کر بند ہو گئیں تھیں ناک گول گپا بن گئی تھی۔
ماما اور چچی پولی نے اس کے تمام چہرہ پر گارا ملا اور گارے کی ہی پٹیاں چڑھا دیں۔ صرف ناک
کا سوراخ اور منہ کھلا رہنے دیا گیا۔

چارلی کو بخار ہو گیا تھا۔ چچی پولی نے کچھ جڑی بوٹیاں پانی میں بھگو کر دیں۔ لارا، میری
اور دوسرے بھائی بہن کچھ دیر اس کے پاس کھڑے دیکھتے رہے۔

پا اور چچا ہنری جب کھیت سے واپس آئے تو اندھیرا ہو چکا تھا۔ جئی اکٹھی کی جا چکی
تھی۔ اب بارش سے کسی نقصان کا ڈر نہ تھا۔

یہ لوگ رات کے کھانے کے لئے ٹھہر نہیں سکتے تھے چونکہ انھیں گھر پہنچ کر دودھ دوہنا تھا۔
گائیں منتظر تھیں۔ اگر وقت پر دودھ نہ دوہا جاوے تو پھر وہ پورا دودھ نہیں دیتیں۔ انھوں
نے جلدی سے گھوڑے جوتے اور سب کے سب گاڑی میں سوار ہو گئے۔

پا تھک کر چور ہو گئے تھے۔ ان کے ہاتھ بھی شل تھے۔ وہ تیزی سے ٹھیک طور پر گھوڑے
ہانک بھی نہ سکتے تھے۔ لیکن گھوڑے گھر کے راستہ سے واقف تھے۔

ماما بیبی کیری کو گود میں لئے ان کے برابر بیٹھی تھیں۔ لارا اور میری پیچھے تختہ پر تھیں۔
اس وقت انھوں نے پا سے چارلی کے کرتوت سنے۔

لارا اور میری کو [illegible] گئے۔ وہ بھی اکثر آپس میں شرارت کرتے تھے۔ لیکن ان کے گمان
میں بھی یہ بات نہ آتی تھی کہ چارلی جیسا بھی کوئی شریر ہو سکتا ہے۔ اس نے جئی کٹوانے اور
اکٹھی کروانے میں کوئی مدد نہ کی۔ اپنے باپ کے حکم کبھی پروا نہیں کی اور جب پا اور چچا ہنری
کام میں مشغول تھے تو انھیں پریشان بھی کیا۔

پھر پا نے بھڑ کے چھتوں کا حال بیان کیا اور کہا
"بیشک وہ ننھا شریر اسی قابل تھا۔"

جب لارا اور میری رات کو اپنے پلنے میں تھیں تو چھت پر بارش گرنے کی آواز آرہی تھی۔

اولتی سے بھی پانی بہہ رہا تھا۔ فوراً اس کا دھیان پا کی اس بات کی طرف گیا جو انھوں نے کہی تھی
وہ دیکھتی رہی کہ تیتروں نے چارلی کے ساتھ کیسا سلوک کیا۔ اس کے خیال میں چارلی کے
ساتھ یہ سلوک مناسب ہی تھا۔ چونکہ وہ بے حد شریر تھا۔ جب اس نے کود کر ان کے گھر کو تباہ
کیا تو انھیں بھی یہ حق تھا کہ وہ اسے کاٹ کھائیں

لیکن وہ یہ نہ سمجھ سکی کہ پا نے اسے ننھا فریبی جھوٹا کیوں کہا؟

وہ یہ بھی نہیں سمجھ سکی کہ جب وہ ایک لفظ بھی نہیں بولا تو وہ جھوٹا کیسے ہو سکتا ہے۔

بارھواں باب

حیرت انگیز مشین

دوسرے دن پا نے کئی بوروں کی بالیں کاٹیں اور صاف اور چمکدار نلیاں ما کے پاس لائے
انھوں نے نلیوں کو پانی کے ٹب میں بھگو دیا تاکہ نرم ہو جائیں پھر ٹب کے پاس کرسی پر
بیٹھ کر نلیوں کو گوندھنا شروع کر دیا۔

انھوں نے ایسا کیا۔ سے تھوڑی نلیوں کو لیکر ان کے سروں کو ایک دوسرے سے باندھ کر
گوندھا۔ نلیاں مختلف لمبائیوں کی تھیں۔ جب کوئی ختم ہونے لگتی تو ٹب میں سے نئی نلی نکال کر
لگا دی جاتی اور گوندھنے کا عمل پھر شروع ہو جاتا۔

ما گوندھتے ہوئے فیتہ کا آخری سرا پانی میں پڑا رہنے دیتیں اور اسی طرح کئی کئی گز بانٹ
ڈالتیں۔ ان کا سارا وقت کئی دن تک بٹنے میں ہی گذر جاتا۔

انھوں نے ایک عمدہ چکنا فیتہ سات چھوٹی نلیوں کو گوندھ کر بنایا۔ بڑا فیتہ بنانے کے
لئے وہ نو بڑی نلیوں کا استعمال کرتیں اور کنارے پر دندانے ڈالتیں اور بڑی سے بڑی نلی
سے چوڑے سے چوڑا فیتہ گوندھتیں۔

جب ساری نلیاں اس طرح گندھ گئیں تو ایک سوئی میں مضبوط سفید دھاگہ پرو دیا اور
فیتہ کے ایک سرے کو انھوں نے گولائی میں سینا شروع کیا۔ فیتہ کو اس طرح تھامے رہیں کہ

سلنے کے بعد وہ چپٹا رہے۔ اس طرح ایک چھوٹی چٹائی بن گئی۔ ما نے بتلایا کہ یہ ہیٹ کے چندوا کا بالائی حصّہ ہے۔

پھر انھوں نے فیتہ کے کنارے کو زیادہ مضبوطی سے دبا کر گولائی میں سلائی جاری کی فیتہ اندر کی طرف مڑ گیا اور چندوا کی دیواریں بن گئیں۔ جب یہ دیواریں کافی اونچی ہوگئیں تو ما نے فیتہ کو ذرا ڈھیلا چھوڑ دیا اور پھر گولائی میں سلائی شروع کی۔ اس طرح فیتہ چپٹا ہوگیا اور یہی چپٹا فیتہ ہیٹ کا چھجہ بن گیا۔

جب چھجہ کافی چوڑا ہوگیا تو ما نے فیتہ کاٹ دیا اور اس کے سرے کو مضبوطی سے سی دیا تاکہ ٹاون کھل نہ جائے۔

ما نے لاورا اور میری کے ٹوپ عمدہ اور پتلے سے پتلے فیتہ کے سئے۔ پا اور اپنے لئے چوڑے دندانہ دار فیتہ کے ہیٹ بنائے۔ وہ ہیٹ پا اتوار کو استعمال کرتے تھے۔ ما نے روزمرہ کے استعمال کے لئے دو ہیٹ زیادہ چوڑے اور موٹے فیتہ کے بنائے۔

جب ما ایک ہیٹ پورا کر لیتیں تو اسے ایک تختہ پر سکھانے کے لئے من چاہی شکل دے کر رکھ دیتیں۔ سوکھنے پر وہی شکل باقی رہتی۔

ما بڑے خوبصورت ہیٹ بنانا جانتی تھی۔ لاورا دیکھتی رہتی تھی اور اس طرح اس نے تیلیوں کو گوندھنا سیکھ لیا تھا۔ اس نے شارلٹ کے لئے ایک چھوٹا ہیٹ بھی بنایا تھا۔

دن چھوٹے ہو چلے تھے اور راتیں ٹھنڈی ہوگئی تھیں۔ ایک دن سردی حضور آہی گئے صبح ہی بڑے جنگل کی ہری پتیوں پر جگہ جگہ بھورا پن نظر آنے لگا۔ پھر پتیاں ہری ہونا بند ہوگئیں، وہ پیلی، بھوری اور سنہری بن گئیں۔ ان میں داغ دھبّے ابھر آئے۔

احاطہ کی فصیل سے لگی ہوئی ساق کی سرخ چمکیلی پتیوں کے اوپر گہرے سرخ اور مخروطی شکل کے پھل لٹک رہے تھے۔ بلوط کا درخت بھی ٹپک رہا تھا۔ لاورا اور میری ان پھلوں کو پیالے اور رکابیوں کے طور پر کھیل کے میدان میں استعمال کر رہی تھیں۔ اخروٹ اور دوسرے گریدار پھل جنگل میں گر رہے تھے۔ گلہریاں انھیں کتر کتر کر سردی کے لئے جمع کر رہی تھیں اور کھوکھلے درختوں میں چھپانے میں مصروف تھیں۔

لاورا اور میری ما کے ساتھ اخروٹ اور گریدار پھل جمع کرنے گئیں اور سکھانے کے لئے انھیں دھوپ میں پھیلا دیا۔ پھر پھٹکار کر چھلکے نکال دیئے اور ان کی گریوں کو سردی کے موسم کے لئے کوٹھری میں محفوظ کر دیا۔

بڑے گول اخروٹ اور چھوٹے گریدار پھلوں کو جن کے جھاڑیوں میں گچھے کے گچھے لگتے ہیں جمع کرنے میں بڑا مزہ آتا ہے۔ اخروٹ کا بیرونی چھلکا بھورے رنگ کے رس سے بھرا ہوا تھا جو ہاتھوں کو رنگ دیتا تھا۔ لیکن چھوٹے گریدار پھل کے چھلکے میں خوشبو کے ساتھ ذائقہ بھی اچھا ہوتا تھا۔ لاورا چکھنے کے لئے کبھی کبھی انھیں اپنے دانتوں میں دباتی تھی۔

اب سب ہی مشغول تھے۔ ان دنوں باغ کی سب ترکاریاں اکٹھی کرنی ہوتی تھیں۔

لاورا اور میری نے آلوؤں کو زمین سے چننے میں پا کا ہاتھ بٹایا۔ پا آلوؤں کو زمین سے کھود کر باہر نکال رہے تھے۔ انھوں نے پیلی گاجروں اور گول بنگنی سر کے شلجموں کو اکھاڑنے میں بھی پا کی مدد کی۔ اس کے ساتھ ساتھ کدو کے حلوے بنانے میں انھوں نے ما کی امداد کی۔

ما نے نارنجی رنگ کے بڑے کدو کو دو حصوں میں کاٹا۔ اس کے پیٹ میں سے بیج نکال کر اس کے قتلے کئے۔ چھلکے اتارے۔ قتلے چوکور مربع شکل میں تراشے گئے۔ لاورا بھی ما کا ہاتھ بٹاتی رہی۔

پھر ما نے ان قتلوں کو لوہے کے ایک بڑے برتن میں انگیٹھی پر رکھ دیا اور تھوڑا سا پانی ڈال دیا کہ تمام دن ہلکی آنچ پر آہستہ آہستہ ابلتے رہیں۔ پانی اور قتلوں کا رس اس طرح خشک کرنا ہوتا ہے کہ وہ جلنے نہ پائیں۔

دیگچی میں اب قتلے کالے پھولے ہوئے اور خوشبودار ہو گئے تھے۔ پانی کی طرح اب اس میں ابال نہ تھا بلکہ بلبلے ابھر کر پھوٹ جاتے تھے سوراخ بنتا تھا اور جلدی سے بند ہو جاتا تھا۔ جیسے ہی بلبلا پھوٹتا گرم اور نفیس خوشبو اس میں سے پھوٹ پڑتی۔

ما کی جگہ لاورا کرسی پر کھڑی کدو کو پکتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اور ڈوئی سے ہلا رہی تھی۔ وہ ڈوئی کو دونوں ہاتھوں سے تھامے ہوئے تھی۔ وہ بڑے سلیقہ سے

چلا رہی تھی اگر تیلے تک جائیں تو پھر موسے نہیں بن سکتے۔

ڈنر میں ان لوگوں نے ہلکی آنچ میں پکا ہوا کدو کھایا۔ اسے نت نئے ڈھنگ سے پلیٹوں میں لایا گیا۔ اس کا رنگ نہایت حسین تھا۔ چاقو بڑے سلیقہ سے اس کے مزید ٹکڑے کیئے گئے۔ کھانے کی میز پر بچوں کو کھیلنے کی کبھی اجازت نہیں دیتی۔ جو کچھ سامنے ہو اسے ڈھنگ سے کھانا چاہیئے۔ لیکن نرم آنچ پر بنے ہوئے کدو کو کھانے سے پہلے اسے اچھی سے اچھی شکل میں ڈھالنے کی اجازت تھی۔

بعض اوقات ڈنر کے لیئے ہبارڈ کا دلیا بنایا جاتا۔ اس کا چھلکا اتنا سخت ہوتا تھا کہ ماکو پاکی کلہاڑی کا سہارا لینا پڑتا تاکہ اس کے ٹکڑے کیئے جاسکیں۔ لادما کو شوق تھا کہ جب اس کے ٹکڑے بھٹی میں پکائے جاتے تو وہ چھلکا اتار کر اس کے پیلے گودے کو مکھن سے کھاتی۔

پھر رات کے لیئے وہ لوگ اکثر دودھ اور دلئے کا استعمال کرتے۔ یہ لذیذ ہوتا تھا۔ ما جو نہی اس کے چھلکے اتارنے کا کام شروع کرتی لادرا کو اس کے تیار ہونے کا انتظار مشکل ہو جاتا۔ اناج کے چھلکے اتارنے میں دو تین دن لگ جاتے تھے۔

پہلے دن ما راکھ نکال کر بھٹی صاف کرتیں۔ پھر اس میں صاف چمکیلی لکڑی جلا کر ایک تھیلی میں اس کی راکھ جمع کر لیتیں۔

ایک رات پا اناج کی موٹے موٹے دانوں بھری کچھ بالیں لائے۔ انھوں نے ان بالوں کو اس طرح جھٹکا کہ بھوسہ والے چھوٹے دانے جھڑ گئے اور بقیہ کو ایک بڑے طشت میں جھاڑ کر بھر لیا۔

دوسرے دن صبح ہی جھٹکارے ہوئے اناج اور راکھ کی تھیلی کو لوہے کی بڑی دیگچی میں ڈال دیا اور اس میں پانی بھر دیا۔ انھیں بڑی دیر تک اتنا ابالا کہ اناج کا گودا پھولنے لگا۔ وہ اتنا پھولا کہ پھٹ گیا اور چھلکا اترنے لگا۔

جب چھلکا ڈھیلا ہو کر اترنے کے لائق ہو گیا تو ما نے دیگچی باہر لا کر رکھ دی اور ایک ٹب صاف ٹھنڈے پانی کا چشمہ سے بھرا اور دیگچی سے اناج نکال کر اس میں ڈال دیا۔

پھر انہوں نے اپنے پھولدار سفید کپڑے کی آستینیں کہنیوں کے اوپر چڑھا لیں اور ٹب کے اوپر جھک کر ہاتھوں سے اناج کو خوب ملا۔ اسے اتنا رگڑا کہ چھلکے نکل کر پانی پر تیرنے لگے۔

وہ بار بار پانی نکالتیں اور تازہ کا صاف پانی ٹب میں ڈال دیتیں۔ وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے اس طرح اناج کو بدلتی ملتی رہیں۔ اس کا پانی بھی بدلتی رہیں یہاں تک کہ صاف دھل کر چھلکے بالکل نکل گئے۔

اناج صاف پانی میں سے وقت ایک بھی چھلکا ان کے خوبصورت لباس پر نہیں پڑا تھا۔ ما اپنے ننگے گداز سفید بازوؤں، سرخ گالوں اور چمکیلے چمکدار کالے بالوں میں بڑی پاکیزہ معلوم دے رہی تھیں۔

جب اناج صاف ہو گیا تو ما نے اس سفید نرم گودے کو ایک مرتبان میں بھر کر اسٹور میں رکھ دیا۔ آخر رات کے کھانے میں اس کا استعمال ہونے لگا۔

کبھی کبھی وہ چھلکے اترے اناج کا استعمال ناشتہ میں کرتے۔ میپل کے رس میں ملا کر ما نے نرم گودے کو سور کی چربی میں بھی تلا تھا۔ لیکن لاورا کو وہ دودھ میں سب سے زیادہ اچھا لگتا تھا۔

موسم خزاں بہت دلچسپ تھا۔ کام بھی بہت تھا۔ کھانے کے لئے عمدہ چیزیں بھی کافی تھیں۔ نئی نئی چیزوں کی فراوانی تھی۔ لاورا صبح سے شام تک گلہریوں کی طرح اچھلتی کودتی اور چہچہاتی رہتی۔

ایک ٹھنڈی سی صبح سڑک پر ایک مشین آئی۔ اسے چار گھوڑے کھینچ رہے تھے۔ اس پر دو آدمی سوار تھے۔ گھوڑے اس مشین کو اس کھیت تک کھینچ کر لائے جہاں چچا ہنری، گرانڈپا، مسٹر ہیرسن اور پا نے گیہوں کے ڈھیر ڈال رکھے تھے۔

اس کے تھوڑی دیر بعد دو آدمی ایک چھوٹی مشین اور لائے۔

پا نے ما سے کہا کہ بھوسہ نکالنے کی مشین آ گئی ہے۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ جلدی ہی کھیت پر پہنچیں گے۔ لاورا اور میری نے ما سے اجازت لی اور وہ بھی پا کے

پیچھے پیچھے کھیت کی طرف دوڑے۔ اگر وہ احتیاط رکھیں تو مشین کے دیکھنے میں کوئی مضائقہ نہ تھا۔

چچا ہنری گھوڑے پر سوار آ گئے۔ انھوں نے اپنا گھوڑا درخت سے باندھ دیا۔

پھر پا اور چچا ہنری نے باقی آٹھ گھوڑوں کو چھوٹی مشین میں جوت دیا۔

انھوں نے گھوڑوں کی ایک ایک جوڑی اس لمبی لکڑی کے سرے پر جوتی جو مشین کے مرکز سے باہر نکلی ہوئی تھی۔ لوہے کا ایک لمبا ڈنڈا زمین سے لگا ہوا۔ مشین سے دوسری مشین تک پڑا ہوا تھا۔

لورا اور میری نے پوچھنا شروع کر دیا۔ تب پا نے ان کو بتایا کہ بڑی مشین خارقہ (SEPARATOR) کہلاتی ہے۔ اس میں لگا لوہے کا ڈنڈا دھکیلنے والا ڈنڈا ہے۔ چھوٹی مشین کو گھوڑوں کی طاقت کہتے ہیں۔ اسے آٹھ گھوڑے چلاتے ہیں۔ اس لئے وہ آٹھ گھوڑوں کی طاقت والی مشین کہلاتی ہے۔

ایک آدمی اس کے اوپر بیٹھتا ہے۔ جب سب تیاری مکمل ہو جاتی ہے تو وہ گھوڑوں کو کٹ کٹ کرتا ہے اور وہ چل پڑتے ہیں۔

وہ دائرے میں مشین کے گرد گھومتے ہیں۔ ہر جوڑی اس لمبی لکڑی کو کھینچتی ہے۔ جس میں وہ جتی ہوتی ہے اور اگلی جوڑی کے پیچھے چلتی ہے۔ چکر کھاتے وقت وہ زمین پر گھومنے والے ڈنڈے پر ہوشیاری سے قدم اٹھاتے ہیں۔

ان کے کھینچنے سے وہ ڈنڈا بھی گھومتا رہتا ہے۔ اور خارقہ مشین کو چلاتا ہے جو گیہوں کے ڈھیر کے پاس لگی ہے۔

ان مشینوں نے بڑا شور برپا کیا۔ دھڑ دھڑ۔ کھڑ کھڑ۔ لورا اور میری کھیت کے کنارے ایک دوسرے کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑے کھڑی تھیں اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی تھیں۔ انھوں نے اس سے پہلے کوئی مشین نہ دیکھی تھی نہ کبھی ان کی آواز سنی تھی۔

پا اور چچا ہنری گیہوں کے ڈھیر پر تھے وہ پولے اٹھا اٹھا کر تختہ پر ڈال رہے

تھے۔ ایک آدمی تختہ پر کھڑا ان کے بند کاٹ رہا تھا اور فارقہ کے پچھلے حصّہ کے ایک بڑے سوراخ میں ان پولوں کو ایک ایک کر کے ٹھونس رہا تھا۔

وہ سوراخ مشین کے منہ جیسا نظر آتا تھا جس میں لوہے کے لمبے لمبے دانت تھے جو انھیں چبانے کا کام کر رہے تھے۔ وہ پولے چبائے جاتے تھے اور مشین انھیں نگل جاتی تھی۔ بھوسا مشین کے دوسرے رُخ سے نکل جاتا اور گیہوں علیحدہ ہو کر ایک کنارے پر نیچے گر جاتے۔

دو آدمی نہایت تیزی سے کام کر رہے تھے۔ بھوسے کو روند رہے تھے اور ڈھیر لگا رہے تھے۔ ایک آدمی جلدی جلدی اکٹھا کرتے اناج کو تھیلوں میں [illegible] رہا تھا۔ مشین سے گیہوں کے دانے نصف بوشل کے پیمانہ پر گر رہے تھے۔ جونہی ایک پیمانہ بھر جاتا وہ آدمی فوراً دوسرا خالی پیمانہ اس کی جگہ رکھ دیتا اور بھرے ہوئے پیمانہ کو تھیلے میں انڈیل دیتا۔ اسے اتنا وقت مل جاتا تھا کہ وہ اسے خالی کر کے مشین سے باہر نکلتے ہوئے دہانہ پر دوسرا پیمانہ بھرنے سے پہلے رکھ دے۔

سب آدمی پوری طاقت لگا کر کام نمٹا رہے تھے۔ مشین ان کا ساتھ دے رہی تھی۔ لاورا اور میری ایسی ششدر تھیں کہ اوپر نیچے سانس لینا بھی دوبھر تھا۔ ٹکٹکی باندھے اور ہاتھ میں ہاتھ ڈالے کھڑی تھیں۔

گھوڑے چکّر پر چکّر لگا رہے تھے۔ جو آدمی انھیں ہانک رہا تھا اس نے اپنا چابک ہلایا اور چیخ کر بولا "چلو جان! جان مت چراؤ۔" پھر رُخ سے ایک اور چابک گھمایا "ہوشیار بل! دھیرے دھیرے۔ ایسے نہیں۔ ایک رفتار سے چلو!"

مشین پولے کے پولے کھا گئی۔ بھوسہ سنہرے بادلوں کی شکل میں باہر آ رہا تھا۔ دہانہ سے سنہرے بھورے رنگ کے گیہوں لگاتار نکلتے جا رہے تھے۔ پا اور چچا ہنری پوری تیزی سے پولے نیچے پھینک رہے تھے۔ ہر چیز پر بھوسے کی گرد جمی تھی۔ دھواں ہی دھواں اڑتا معلوم ہوتا تھا۔

لاورا اور میری دیکھتے دیکھتے تھک گئیں تو گھر کی طرف بھاگیں۔ ان لوگوں کے لئے کھانا

لانے میں انھوں نے آپ کی مدد کی تھی۔

انگیٹھی پر بڑی دیگچی میں آلو، گوبھی اور گوشت پک رہا تھا۔ لوبیے اور جانی کیک کا ایک بڑا طشت بھٹی میں پک رہا تھا۔ لاورا اور میری نے کام کرنے والوں کے لئے کھانے کی میز سجائی۔ نمکین روٹی رکھی، نرم آنچ پر سینکے کدو، موٹے خشک جھڑبیری کی کچوریاں بسکٹ، پنیر، شہد اور دودھ، سب ہی کچھ چنا گیا۔

پھر ماں نے اُبلے ہوئے آلو، گوبھی، گوشت، لوبیے، گرم جانی کیک، ہبارڈ کا دلیہ میز پر رکھا اور چائے بھی لگا دی۔

لاورا حیرت میں تھی کہ میدہ کی بنی ہوئی روٹی کو جانی کیک کیوں کہتے ہیں، وہ کیک تو ہے نہیں۔ ابھی پہلے نہیں جانتی تھی کہ اسے جانی کیک کیوں کہتے ہیں۔ ایک دفعہ شمالی فوجیوں نے اسے جانی کیک کے نام سے پکارا۔ شمال کے لوگ جو جنوب میں لڑنے کے لئے جاتے تھے وہاں یہ بہت کھایا جاتا تھا۔ وہ جنوب کے فوجیوں کو جانی باغی کہتے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ انھوں نے مذاق کے طور پر جنوب کی روٹی کا نام جانی کیک رکھ دیا ہو۔

آ نے کسی کو کہتے سنا تھا کہ اس کو سفری روٹی کہا جانا چاہئے۔ انھیں یہ یاد نہیں رہا کہ کس نے کہا تھا لیکن سفر کے لئے یہ روٹی کچھ [illegible] نہیں ہوتی۔

دوپہر کے وقت لاورا اور ماں کی چنی ہوئی میز پر گاہنے والے لوگ آ بیٹھے۔ کھانا خوب کھایا۔ کچھ بھی باقی نہ رہا۔ یہ لوگ محنتی ہوتے ہیں اس لئے بھوک بھی اچھی خاصی لگتی ہے۔

تین دوپہر میں مشینوں نے سارا کام ختم کر دیا۔ مشین کے مالک نے گیہوں کے کچھ تھیلے مزدوری کے عوض لئے اور مشین ہانک لے گئے۔

اب یہ دوسری جگہ چلے گئے۔ جہاں پڑوس والوں نے ملکر اپنا گیہوں اکٹھا کر رکھا تھا اور وہ مشین سے اسے صاف کروانا چاہتے تھے۔

پا اس رات بہت ہی تھکے ماندے تھے لیکن بڑے خوش تھے۔ آ سے کہنے لگے

"ہنری۔ ٹیرسن اور مجھے لگاتار کئی ہفتے لگ جاتے تو ہم لوگ جھاڑ کر اتنا غلہ نہ نکال سکتے جتنا کہ آج مشین نے نکالا ہے ہم سے نہ اتنے دانے نکل پاتے اور نہ ہی وہ اتنے صاف ہوتے۔"

"یہ مشین ایک بہت بڑی ایجاد ہے۔" انھوں نے کہا۔ "دوسرے لوگ اگر پرانے طریقوں پر چلنا رہنا چاہتے ہیں تو رہیں۔ میں تو ترقی پسند ہوں۔ یہ نیا زمانہ ہے۔ جس میں ہم لوگ رہ رہے ہیں۔ جب تک میں گیہوں کاشت کروں گا جہاں کہیں بھی آس پاس سے مشین دستیاب ہوسکے گی میں تو مشین ہی سے دانہ نکلواؤں گا۔"

وہ اگرچہ تھکن کی وجہ سے آج رات لاورا سے بات چیت نہ کر سکتے تھے لیکن لاورا کو ان پر ناز تھا۔ یہ پا ہی کا دم تھا کہ انھوں نے دوسرے آدمیوں کو بھی اپنا گیہوں یکجا کرنے اور مشین منگوانے پر آمادہ کر لیا۔ مشین بڑی عجیب و غریب تھی اور ہر ایک خوش تھا کہ وہ آگئی تھی۔

تیرھواں باب

جنگل میں ہرن

گھاس مرجھا کر سوکھ چکا تھا۔ اب وقت آگیا تھا کہ گائیں آوارہ جنگل میں نہ چھوڑی جائیں۔ اب انھیں کھلیان میں بند کر کے کھلانے کی ضرورت تھی۔ چمکدار رنگین پتیاں سردی کی بارش سے بھوری ہو ہو کر مرجھا گئی تھیں۔

اب درختوں کے نیچے کھیلنے کا موسم نہیں رہا تھا۔ پا گھر میں رہتے اور بارش ہو رہی تھی۔ انھوں نے اپنا وائلن بجانے کا شغل شروع کر دیا۔

بارشیں رکیں تو موسم اور سرد ہو گیا۔ صبح سویرے ہی ہر چیز ٹھنڈی برف تھی دن چھوٹا ہوتا چلا جا رہا تھا۔ گھر گرم رکھنے کے لئے کچھ نہ کچھ آگ بھٹی میں ہر وقت

ملتی تھی۔ سردی کا موسم۔ یاد ور نہ تھا۔

کھر بن اور تہہ خانہ ایک بار پھر اچھی اچھی نعمتوں سے بھر پور تھے۔ لاورا اور میری نے لحافوں میں پیوند وغیرہ لگانے کا کام شروع کر دیا تھا۔ ہر چیز کو گرم اور محفوظ رکھنے کی ضرورت تھی۔

ایک رات جب پا ادھر اُدھر کے کاموں سے فرصت پا کر آئے تو کھانے کے بعد بولے کہ وہ ہرن کی تلاش میں "ہرن گھات" جا رہے ہیں۔ موسم بہار سے آج تک اس چھوٹے گھر میں تازہ گوشت آیا ہی نہ تھا۔ لیکن اب ہرن کے بچے بڑے ہو گئے تھے اس لئے پا نے شکار کا ارادہ کر لیا ہے۔

پا نے ایک "ہرن گھات" بنایا تھا۔ یہ ایسی کھلی جگہ پر تھا جہاں آس پاس درخت تھے تاکہ ان پر بیٹھ کر وہ تاک لگا سکیں۔ ہرن گھات ایسی جگہ کا نام ہے جہاں ہرن نمک چاٹنے کے لئے آتے ہیں۔ جس زمین پر وہ کھار پاتے ہیں وہ اسے چاٹنے آیا کرتے ہیں۔ اسی کو ہرن گھات کہتے ہیں۔ پا نے زمین پر نمک چھڑک کر ایسی جگہ بنا لی تھی۔

رات کے کھانے سے فارغ ہو کر پا نے بندوق اٹھائی اور جنگل میں نکل گئے۔ لاورا اور میری کو بغیر کہانیاں اور گانا سنے ہی سو جانا پڑا۔

جیسے ہی وہ صبح اٹھیں تو کھڑکی کی طرف بھاگیں لیکن درختوں میں کوئی ہرن ٹنگا ہوا نہیں تھا۔ آج تک پا شکار کے بغیر کبھی نہیں لوٹے تھے۔ لاورا اور میری یہ جان ہی نہ سکیں کہ آخر اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔

تمام دن پا چھوٹے گھر اور کھلیان کے باہر کے پتوں اور گھاس سے باہر کی طرف باڑ لگاتے رہے۔ پھر ان پتوں اور گھاس کو پتھروں کے وزن سے دبا دیا۔ تاکہ سردی اندر نہ آ سکے دن بھر سردی زیادہ بڑھتی رہی۔ تمام رات انگیٹھی میں آگ بھری رہی۔ کھڑکیاں اور ان کی درزیں سردی کے لئے بند کر دی گئی تھیں۔

رات کا کھانا کھانے کے بعد پا نے لاورا کو اپنے گھٹنوں پر بٹھایا اور میری

توڑ ڈالا۔ وہ ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں اور ریزوں میں سے موٹے موٹے سفید کیڑے مکوڑے چن چن کر کھانے لگے۔

"پھر وہ اپنی پچھلی ٹانگوں پر کھڑا ہو گیا۔ ایک دم سیدھا۔ چاروں طرف نگاہ دوڑائی گویا اسے کچھ خطرہ کا احساس ہو گیا ہے۔ وہ دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ صورت حال کیا ہے۔

"وہ نشانہ پر تھا۔ لیکن میں اسے دیکھنے میں محو تھا۔ چاندنی رات اور پرسکون فضا نے مجھ پر ایسا جادو کیا کہ بندوق کا بھی دھیان نہ رہا۔

"مجھے اس پر فائر کرنے کا خیال تک نہ آیا۔ یہاں تک کہ وہ جھومتا جھامتا جنگل میں دور چلا گیا۔

"ایسے کام نہیں چلے گا۔ میں نے خیال کیا۔ اس طرح تو مجھے کبھی بھی گوشت میسر نہ آسکے گا" میں درخت پر ذرا سنبھل کر بیٹھ گیا اور پھر انتظار کرنے لگا۔ اس بار میں ارادہ کر چکا تھا کہ جو بھی شکار پر نظر پڑے گی میں فوراً اسے مار دوں گا۔

"چاند ذرا اور اونچا اٹھ گیا تھا۔ کھلی جگہ میں چاندنی زیادہ صاف اور روشن تھی آس پاس درختوں کے سائے اتنے ہی زیادہ گہرے تھے۔

"تھوڑی دیر بعد ایک ہرنی اور اس کا ایک سالہ بچہ بڑے مزے سے سایوں سے باہر نکلے جہاں میں نے نمک چھڑکا تھا وہ وہاں پہنچے اور اسے چاٹنے لگے۔

"پھر دونوں نے سر اوپر کیا اور ایک دوسرے کو دیکھا۔ بچہ ذرا آگے بڑھ کر ماں کے برابر آ کھڑا ہوا۔ اب دونوں ایک جگہ تھے۔ جنگل اور چاندنی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ انکی بڑی بڑی معصوم آنکھیں روشن تھیں۔

"میں تو ان کی طرف دیکھتا ہی رہ گیا۔ وہ سائے میں غائب بھی ہو گئے۔ تب میں درخت سے اترا اور گھر چلا آیا۔"

لاورا نے رازدارانہ انداز میں پاسے کہا "اچھا ہوا آپ نے مارا نہیں۔"

میری بولی "ہم لوگ تو مکھن روٹی پر ہی قناعت کر لیں گے۔"

پاپا نے میری کو کرسی سے اوپر اٹھا لیا اور دونوں کو ایک ساتھ گلے لگا لیا۔
"تم میری اچھی بیٹیاں ہو" انھوں نے کہا "اب سونے کا وقت ہو گیا ہے۔
جاؤ بھاگو۔ اب میں اپنا وائلین بجاؤں گا"
لورا اور میری نے حمد پڑھی اور اپنے پلنگ کے بستر میں گٹھڑی سی بن کر لیٹ گئیں۔ پا آگ کے سامنے بیٹھے تھے۔ وائلین ان کے ہاتھ میں تھا۔ روشنی کی ضرورت نہ تھی اس لئے ما نے چراغ گل کر دیا تھا۔ انگیٹھی کے اس طرف وہ آرام کرسی پر ہلا ہلا کر بیٹھی ہوئی تھی۔ ان کی بننے والی سوئیاں اوپر نیچے ہو کر موزے بن رہی تھیں۔ سردی کی لمبی راتیں آگئی تھیں۔ اب آگ اور رقص و سرود کی حکومت تھی۔
پا کا وائلین سوز میں ڈوبا ہوا تھا اور پا گا رہے تھے۔

اے سوسی آنا۔
مت رو میرے لئے
کیلی فورنیا۔ میں جا رہا ہوں
سونے کی تلاش میں

پھر پا نے بڈھے گریم کا گیت چھیڑ دیا۔ لیکن اس بار وہ گیت نہ تھا جو ما کے پنیر بناتے وقت انھوں نے گایا تھا۔ یہ گیت اور تھا۔ پا بڑی سریلی آواز میں آہستہ آہستہ گا رہے تھے۔

کیا ساری یادیں بھلا دو گے
اور کبھی نہ یاد کرو گے
کیا ساری یادیں بھلا دو گے
پرانے زمانہ کی یادیں
وہ پرانے زمانہ کی یادیں
وہ عہد قدیم کی باتیں
کیا ساری یادیں بھلا دو گے

اور پرانے زمانہ کی باتیں

جب وائلین بجنا بند ہو گیا تو لاورا نے آہستہ سے پوچھا۔ "پا! پرانے زمانہ کی یادوں کا کیا مطلب ہے؟"

"یہ بڑی پرانی بات ہے لاورا!" پا بولے "جاؤ اب سو جاؤ۔"

لیکن لاورا کچھ دیر اور جاگتی رہی۔ وہ پا کے وائلین کی دھیمی بسر اور جنگل میں ہوا کی سائیں سائیں سن رہی تھی۔ اس نے پا کو انگیٹھی کے پاس بنچ پر بیٹھے دیکھا۔ دہکتے انگاروں کی روشنی ان کے بھورے بالوں داڑھی اور بھورے رنگ کے وائلین پر چمک رہی تھی اس نے ماں کی طرف بھی دیکھا۔ وہ بن رہی تھی اور کبھی کبھی آہستہ سے ہل بھی جاتی تھی۔

اس نے اپنے دل میں سوچا "زمانہ حال تو یہ ہے۔"

وہ خوش تھی کہ آرام دہ مکان۔ پا۔ ما۔ آگ اور سرود سب ہی زمانۂ حال کے مظہر ہیں۔ انھیں کون بھلا سکتا ہے۔ اس نے سوچا حال بہر حال حال ہے۔ اس کو ماضی بعید نہیں بنایا جا سکتا۔